ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

19

www.tanzeem.org

26 جمادی الأولیٰ تا یکم جمادی الثانی 1431ھ / 11 تا 17 مئی 2010ء

دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے

بندۂ مومن کے لیے ایک بڑی لطیف حقیقت یہ ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں رہنے پر کبھی راضی نہیں ہوتا۔ یہ دنیا تو ''سِجْنُ الْمُؤْمِن'' ہے۔ یہ اس کے لیے liability ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کسی CSP آفیسر کو بلوچستان کے دور دراز کونے میں کہیں پر لگا دیا جائے۔ چلا تو وہ جائے گا کہ ملازمت کا تقاضا ہے مگر مستقلاً رہنے پر راضی نہیں ہوگا۔ دنیا میں رہنا اللہ کے حکم سے ہے۔ یہ ہمارے لیے دارالعمل (place of duty) ہے۔ جب تک بھی اللہ ہمیں یہاں رکھے یہاں رہنے پر راضی رہنا ہے' مگر یہاں زندگی کی طوالت کی آرزو یا تمنا نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن میں دولت پرستی میں مبتلا یہودیوں کا یہ وصف بیان ہوا ہے: ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ (البقرہ:96) ''اُن میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اُسے ہزار سال کی عمر دے دی جائے۔'' اس کے برعکس بندۂ مؤمن کی شان تو وہ ہے جو اقبال نے بیان کی کہ ؎

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

رب کعبہ کی قسم! اگر ہم.....

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی دینی خدمات

اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا

خدا مغفرت کرے عجب ''آزاد'' مرد تھا

ڈاکٹر اسرار احمدؒ: قدیم و جدید کا امتزاج

نائن الیون: منصوبہ سازوں کا مطمحِ نظر

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تعزیتی خطوط اور ای میلز

الہدیٰ (417)

سورۃ الانفال

(آیات:59-60)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾

”اور کافر یہ نہ خیال کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں۔ وہ (اپنی چالوں سے ہم کو) ہرگز عاجز نہیں کر سکتے۔ اور جہاں تک ہو سکے (قوت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے، ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تمہارا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔“

غزوۂ بدر کے تذکرہ میں فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے، یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے ہیں۔ آخر کفار کی ہزار کی نفری تھی، کچھ بچ بھی گئے تھے۔ لیکن واضح فرما دیا کہ جو بچ کر چلے گئے ہیں وہ اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے۔

اب یہاں خطاب مسلمانوں سے ہے کہ اے مسلمانو! اب تمہاری تحریک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ اب تصادم کا مرحلہ آ گیا ہے۔ لہٰذا تم سامان جنگ تیار رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو کہ اللہ تمہاری مدد کرے گا بلکہ اپنی استطاعت کی حد تک تم بھرپور تیاری کرو، طاقت جمع کرو، خوب پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔ اُس زمانے میں جنگ کے لیے سب سے مؤثر شے گھوڑے ہی تھے۔ آج کے دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان جدید ترین جنگی سامان فراہم کریں۔ افسوس کہ صورتحال اس کے برعکس ہے۔ دنیا میں درجنوں مسلمان ممالک میں سے صرف پاکستان ہی وہ ملک ہے جسے ایٹمی صلاحیت حاصل ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری ایٹمی صلاحیت پوری امت مسلمہ کی امانت ہے۔ اِس کا تحفظ بہت ضروری ہے۔ اگر اس معاملے میں امریکہ کا دباؤ قبول کر لیا گیا تو یہ اللہ کے ساتھ اور امت مسلمہ کے ساتھ بھی بہت بڑی خیانت ہوگی۔ اسرائیل کے پاس ایٹم بموں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ مگر کفر یہ طاقت اُس کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے جبکہ عراق کے بارے میں ذرا اندیشہ ہوا کہ وہ ایٹمی طاقت بن رہا ہے تو اُس کا بھرکس نکال دیا گیا۔ بہرحال اہل ایمان کو حکم یہ ہے کہ اللہ نے جو بھی عسکری صلاحیت عطا کی ہے اُسے سنبھال کر رکھیں۔ تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکیں۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن وہی نہیں جنہیں تم جانتے ہو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔ یہ منافقین ہیں، جو مار آستین ہیں۔ یہ تمہارے درمیان موجود ہیں۔ جنگی سامان فراہم کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم کھلے ہاتھوں خرچ کرو اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی (یہاں سورۃ البقرہ کا چوتھا اور پانچواں رکوع ضرور دیکھ لیں)

فرمانِ نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

امانت کی حفاظت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ بَیْنَمَا ﷺ یُحَدِّثُ اِذْجَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ مَتَی السَّاعَةُ؟ قَالَ: ((اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ)) قَالَ: ((کَیْفَ اِضَاعَتُهَا؟)) قَالَ: ((اِذَا وُسِّدَالْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ)) (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیان فرما رہے تھے کہ اس اثنا میں ایک اعرابی (بدوی) آیا اور اس نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب (وہ وقت آ جائے کہ) امانت ضائع کی جانے لگے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرو۔ اس اعرابی نے عرض کیا کہ امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب معاملات نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔“

تشریح: ہماری اردو زبان میں ”امانت“ کا مفہوم بہت محدود ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کی زبان میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے اور یہ اپنے اندر عظمت اور اہمیت بھی لیے ہوئے ہے۔ ہر عظیم اور اہم ذمہ داری کو ”امانت“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر ہم کوئی چھوٹی یا بڑی ذمہ داری کسی نااہل کے سپرد کر دیں گے تو یہ امانت کی اضاعت ہے۔ ہمیں امانت کی حفاظت کا حق ادا کرنا چاہیے، تاکہ ہم دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 19 — 26 جمادی الاولیٰ تا یکم جمادی الثانی 1431ھ — 11 تا 17 مئی 2010ء — شمارہ 19

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36366638-36316638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ..... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

ربِّ کعبہ کی قسم! اگر ہم.....

یہودی مکر و فریب، عیسائی جارحیت پسندی اور عالمی غلبہ کی خواہش اور ہندو کی پاکستان دشمنی مل جل کر اسلام اور پاکستان کے خلاف ایک نیا جال بُن رہی ہے۔ چند دنوں میں چند واقعات پیہم اور اس ترتیب سے ہوئے ہیں کہ اُنہیں جدا جدا کرنا دشوار نظر آ رہا ہے۔ خالد خواجہ کو طالبان یا نام نہاد طالبان نے قتل کر دیا۔ ممبئی کی عدالت نے پاکستانی اجمل قصاب کو مرکزی مجرم قرار دے دیا۔ حکیم اللہ محسود زندہ پائے گئے۔ پھر عین اُس وقت جب جنرل ڈیوڈ پیٹریاس اور اشفاق کیانی اسلام آباد میں مذاکرات کر رہے تھے اور 24 مارچ کو ہونے والے سٹریٹیجک مذاکرات کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ٹائمز سکوائر نیویارک میں دہشت گردی کی ایک کوشش ناکام بنا دی گئی اور اِس حوالہ سے پاکستانی نژاد فیصل شہزاد کو گرفتار کر لیا گیا۔ تحریکِ طالبان پاکستان نے اِس کارروائی کی ذمہ داری بھی قبول کر لی اور فیصل شہزاد نے گرفتار ہوتے ہی اعترافِ جرم بھی کر لیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ دہشت گردی کی تربیت وزیرستان میں حاصل کرتا رہا ہے اور یہ جو دہشت گردی کی اُوچھی بچگانہ اور احمقانہ کوشش اُس نے کی ہے، وہ وزیرستان میں تربیت حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔ پوشیدہ بھارتی قوتوں اور امریکہ میں موجود اُن کے بااثر ہمدردگان ایک بڑا طوفان اُٹھانے کی کوشش میں جُت گئے ہیں۔ اتنی اعلیٰ پیمانہ کی منصوبہ بندی سے کی جانے والی دہشت گردی کی کوشش پر اوبامہ نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا ہے اور اُن کا یہ جملہ آنے والے حالات کی تصویر کشی کر رہا ہے "امریکی عوام نے ہمیں پھر موقع دیا ہے کہ ہم ثابت کریں کہ سر اُٹھا کر جینا کس کو کہتے ہیں" کیا یہ سر اُٹھا کر جینا اُسی طرح کا ہوگا جیسے نائن الیون کے بعد نیو کانز نے بش، ڈِک چینی اور کونڈولیزا رائس کی قیادت میں ساری دنیا کو جنگ میں جھونکا تھا، جسے دس سال سے امریکی ٹیکس گزار اور فوجی جوان بھگت رہے ہیں، جس سے دنیا کے جسد میں دہشت گردی سرطان کی طرح پھیل گئی ہے۔

نائن الیون کا ڈرامہ کئی مقاصد کے لیے رچایا گیا۔ (i) ایک ابھرتی ہوئی اسلامی ریاست کو تہس نہس کیا جائے۔ کہیں یہ عادلانہ نظام دوسرے اسلامی ممالک میں نہ پھیل جائے اور مغرب کے سرمایہ پرست نظام کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ (ii) افغانستان پر قبضہ کر کے سنٹرل ایشیا کے قدرتی وسائل پر دسترس حاصل کی جائے اور چین کی اُن تک رسائی میں رکاوٹ پیدا کی جائے۔ (iii) پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات جو اسرائیل کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، اُن پر کنٹرول حاصل کیا جائے۔ امریکہ اور یہودی سازشی ذہن کو یقین تھا کہ وہ نائن الیون سانحہ کے نتیجہ میں تمام طے شدہ مقاصد حاصل کر لیں گے۔ لیکن افغانستان لوہے کا چنا ثابت ہوا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ امریکہ شرافت سے افغانستان خالی کر دیتا۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اب افغانستان تو وہ ان شاء اللہ ضرور خالی کرے گا کہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن یہاں اپنی موجودگی سے وہ کم از کم یہ فائدہ ضرور حاصل کرنا چاہتا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی دانت توڑ کر اسرائیل کو محفوظ بنا دیا جائے، اور اُس کے خدشات دور ہو جائیں۔ گویا کھیل اب پاکستان کے حوالے سے کھیلا جائے گا۔ نیویارک میں ہونے والی اوچھی حرکت اِسی کا پیش خیمہ ہے۔ اِسی پر پاکستان کے خلاف مقدمہ قائم کیا جائے گا۔

سچی بات ہے کہ پاکستان کی آستین کے سانپ مشرف اور پسماندگانِ مشرف اور امریکہ کو خدا سمجھنے والے ہمارے لیڈران اگر افغانستان کی جنگ میں امریکہ کی مدد نہ کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

امریکہ نے ڈالروں کی چمک اور کرسی کی دمک سے اِس جنگ کو ہمارے گلے میں ڈال دیا ہے اور گلے میں ڈالی ہوئی اِس رسی کو اب وہ کھینچتا چلا جا رہا ہے۔ اب نئے ڈرامے سے پاکستان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ شمالی وزیرستان میں آپریشن کرے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ کُل وزیرستان اور قبائلی علاقوں سے ہماری کھلی جنگ شروع ہو جائے گی۔ دونوں اطراف سے خونِ مسلم کی نہریں بہہ جائیں گی اور شیطانی اتحادِ ثلاثہ بغلیں بجائے گا۔ ہمارے حکمران امریکی مخالفت کا نام سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ کون امریکہ سے جنگ چاہتا ہے، لیکن اپنی آزادی اور عزت کی طرف بڑھتے ہوئے امریکی ہاتھوں کو روکنا ہماری دینی اور قومی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ ہم طالبانِ افغانستان سے ہی سبق کیوں نہیں سیکھتے۔ خوف ایک نفسیاتی مرض ہے جو انسان کو زندہ درگور کر دیتا ہے۔ اِس خوف میں ہماری سیاسی اور عسکری قیادت ہی نہیں، سیاسی اور مذہبی دانشوروں کا ایک بڑا ٹولہ بھی مبتلا ہے، جو ہر دم قوم میں مایوسی پھیلا رہا ہے، اور چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے، ڈرو کہ امریکہ بڑی طاقت ہے۔ ان میں سے کوئی مصلحت اور حکمت کے نام سے، کوئی زمینی حقائق کے پردے میں اور کوئی مذہبی کھینچ تان سے عوام کے اذہان کو پراگندہ اور اُن کے قلوب کو دہشت زدہ کر رہا ہے۔ رب کعبہ کی قسم! اگر 18 کروڑ کا یہ انبوہِ کثیر ایک امت کی شکل اختیار کر لے، اگر ہم اسلام کا دامن مل کر تھام لیں، اگر ہم اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیں، اگر ہم طے کر لیں کہ ہمارا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے، اگر ہمارے دلوں میں امریکہ کی بجائے اللہ کا خوف جاگزیں ہو جائے، اگر ہم اللہ کی کتاب کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو دانتوں سے پکڑ لیں، اگر ہم ٹیپو سلطان کے اس قول کو کہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' اپنا ماٹو بنا لیں اور سو باتوں کی ایک بات کہ اگر ہم پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ثابت کر دیں تو شیطانی اتحادِ ثلاثہ کے تمام ڈرامے ناکام ہوں گے اور امریکہ خطے سے یوں غائب ہو جائے گا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

بیانیہ مجلسِ اسرار

میرا نصب العین مجھ سے ایک دن کے لیے بھی اوجھل نہیں رہا

الحمدللہ، مجھ پر کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میری نگاہوں سے احیائے اسلام و اقامت دین کا بلند و بالا نصب العین اوجھل رہا ہو، یا مجھے اپنے ان فرائض کے بارے میں کوئی شک و شبہ لاحق ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا تعلق پہلے ہی اشخاص سے نہیں بلکہ قرآن حکیم سے قائم ہو چکا تھا اور یہ بات مجھ پر از روئے قرآن منکشف ہو چکی تھی کہ شہادت حق میری ذمہ داری اور اقامت دین میرا فرض ہے۔ اشخاص آئیں گے اور چلے جائیں گے۔ جماعتیں بنیں گی اور منتشر ہو جائیں گی۔ لیکن اللہ کا دین بھی قائم و دائم رہے گا اور اس کی کتاب بھی۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ ''میں چھوڑ چلا ہوں تمہارے پاس وہ چیز کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔'' پس انسان کا فرض ہے کہ ''کتاب اللہ'' قرآن حکیم ہی کو اپنا رہنما، ہادی اور امام بنائے اور قرآن و سنت کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن رہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کی کسی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے تو اسے سراسر اُس کا فضل و کرم اور انعام و احسان سمجھے۔ گویا

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(اقتباس از تقریر 21 جولائی 1974ء بمقام مسلم ماڈل ہائی سکول، لاہور)

میرے والد گرامی، بانئ تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا 16 اپریل 2010ء کا خطاب جمعہ

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کے تین مقامات کی چند آیات تلاوت کی ہیں۔ یہ آیات موت سے متعلق ہیں۔ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا کوئی مشرک، کافر اور مرتد بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں تین مرتبہ بیان فرمایا گیا، اور اسی حوالے سے ہمارے اصل مقصد حیات، مقصد تخلیق اور ہمارے لیے کامیابی یا ناکامی کے اصل معیار کو واضح کیا گیا ہے۔ دنیا کی زندگی میں رہتے ہوئے ہم بالعموم موت کو بھول جاتے ہیں۔ دنیا کے روز و شب، اس کی مصروفیات، اس کے مشاغل، اس کے معمولات ہمیں اپنے اندر گم کردیتے ہیں۔ چنانچہ یہ دنیا ہی ہمیں سب کچھ نظر آتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا کے مسائل، یہاں کے دکھ، یہاں کے رنج، یہاں کی خوشیاں اور یہاں کی مسرتیں ہی اصل زندگی ہے۔ دنیا کے اُس پار جو اصل حیات اُخروی ہے اس تک ہماری نگاہ کم ہی جاتی ہے۔ موت کو ہم یوں بھلا دیتے ہیں گویا ہمیں ہمیشہ اسی طرح رہنا ہے۔ موت اس زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾

”ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

ایک انسان خواہ کتنا بھی جی لے، وہ کتنا ہی ہمیشہ زندہ رہنے کا آرزومند ہو، اُسے بالآخر موت کا کڑوا گھونٹ پینا ہے۔ قرآن مجید میں یہود کے بارے میں فرمایا گیا کہ دنیا پرستی کی وجہ سے اُن میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ اس کی عمر ایک ہزار سال عمر ہو جائے۔ لیکن اگر کسی کو ہزار سال کی عمر دے بھی دی جائے پھر بھی موت سے وہ نہیں بچ سکتا۔ ایک وقت تھا کہ عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں۔ قرآن مجید میں حضرت نوحؑ کا ذکر ہے کہ وہ ساڑھے نو سو برس اپنی قوم میں رہے اور تبلیغ کرتے رہے۔ حضرت آدمؑ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی عمر ایک ہزار برس تھی۔ لیکن بالآخر انہیں بھی اس حیات ناپائیدار سے منہ موڑنا پڑا۔ لیکن موت زندگی کا خاتمہ نہیں۔ زندگی تو بہت طویل ہے۔ حیاتِ دنیا اس طویل زندگی کی تمہید ہے، جو اصل دائمی اور حقیقی زندگی ہے۔ آخرت کی حقیقی زندگی میں انسان کو اس کے تمام اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس اعتبار سے اس محدود زندگی کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ عقل مند انسان وہ ہے جو اس حقیقت کو اپنے دل میں جاگزیں کرلے کہ موت سے پہلے مجھے جو وقت ملا ہے یہ میرے لیے مہلت عمل ہے۔

آگے فرمایا

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝﴾

”تو جو شخص آتشِ جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔“

ہر شخص چاہتا ہے کہ میرا مستقبل سنور جائے، میرا کیریئر بن جائے، حالانکہ دنیا میں مستقبل کا خیال ہی عجیب بات ہے۔ دنیا کی زندگی تو ایک امتحانی وقفہ ہے۔ یہاں کیریئر تلاش کرنا بے معنی ہے۔ اصل کیریئر اور مستقبل تو ان لوگوں کا ہے جو آخرت کی زندگی میں کامیاب ہوگئے، جو جہنم کی دہکتی آگ سے بچا کر جنت میں داخل کردیئے گئے۔ ہم دنیا میں کامیابیاں تلاش کرتے ہیں۔ ازروئے قرآن دنیا کی کامیابی یا دنیا کی ناکامی تو اس امتحان کا حصہ ہے جس میں ہمیں ڈالا گیا ہے۔ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اُسے دنیا میں کامیابی مل جائے تو وہ پھولے نہیں سماتا۔ حالانکہ ہوسکتا ہے کہ جس وقت وہ اپنی کامیابی کا جشن منا رہا ہو، اُسی لمحے اللہ کے ہاں اس کی ناکامی کا فیصلہ کرلیا جائے اور یہی اصل ناکامی ہے۔

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ﴾

(آل عمران:186)

”تمہاری آزمائش کی جائے گی تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔“

دنیا کی امتحان گاہ میں قدم قدم پر تمہاری اپنی جانوں میں اور تمہارے مال میں بھی تمہاری آزمائش کی جائے گی۔ دنیا تو ہے ہی دارالامتحان، لیکن قرآن مجید میں خاص طور پر دو چیزوں کو فتنہ قرار دیا گیا ہے کہ ان کے ذریعے انسان کا زیادہ امتحان ہوتا ہے: ایک مال ہے اور دوسری اولاد (بحوالہ سورۃ التغابن: آیت 15)۔ اصل امتحان انہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ مال اور اولاد کی محبت بہت جلد انسان کو پٹڑی سے اتار دیتی ہے۔ مال مل جائے تو آدمی اور زیادہ مال کا متمنی ہوتا ہے۔ چاہتا ہے کہ میرا مال و دولت اور بڑھ جائے خواہ اس کے لیے حرام کا ذریعہ ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ اسی طرح اولاد کی محبت آدمی کو اندھا کردیتی ہے۔ آدمی سوچتا ہے کہ مجھے اولاد کی فرمائشیں پوری کرنی ہے، ان کو اعلیٰ تعلیم دلانی ہے، ان کو اونچے مناصب تک پہنچانا ہے، ان کا مستقبل سنوارنا ہے۔ اور اس کے لیے وہ ہر طرح کے ناجائز کام بھی کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ حلال حرام کی قید ختم ہوجاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان کا اصل امتحان انہی چیزوں کے ذریعے ہوتا ہے جنہیں وہ سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے۔

دوسرا مقام سورۃ الانبیاء کا ہے۔ اِس سورت کی

آیت نمبر35 میں بھی زندگی کے متعلق ایک اصولی بات بیان کی گئی کہ

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵﴾

”ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تو لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری طرف ہی لوٹ کر آؤ گے۔“

ایک نہ ایک دن ہماری یہاں سے رخصتی ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک وقت معین ہے۔ جب وہ وقت آ جائے گا تو آدمی کو یہ دنیا چھوڑنی پڑے گی۔ اچھے اور برے حالات سب امتحان ہیں۔ قابل غور امر یہ ہے کہ کیا ہم اس کا شعور رکھتے ہیں۔ اگر ہمیں کوئی کامیابی یا کوئی خیر ملتا ہے، ہمارے پاس خوشحالی آتی ہے، یا ہمیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آیا اس پر فی الواقع ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ حالت میرا امتحان ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ ایمانی کیفیت ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم ایمان بالآخرت کے قریب بھی نہیں پہنچے، قرآن کا پیغام ہم نے سمجھا ہی نہیں، زندگی کی حقیقت کو ابھی ہم نے نہیں جانا۔ ﴿والینا ترجعون﴾ سے واضح فرما دیا کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔ یہ تو امتحانی وقفہ ہے جس کے بعد ہم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اصل نتائج تو آخرت میں سامنے آئیں گے۔

تیسرا مقام جہاں موت کا ذائقہ چکھنے کا ذکر ہے وہ سورۃ العنکبوت کی آیت 57 ہے جو 21 ویں پارہ میں ہے۔ فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۵۷﴾

”ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔“

یہاں یہ بات دراصل ہجرت کی ترغیب کے حوالے سے کہی گئی ہے۔ اس سے پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اے میرے وہ بندو، جنہوں نے میری توحید کو تسلیم کر لیا، جو مجھ پر ایمان لے آئے ہیں، جو میرے نبی پر ایمان لائے ہیں، جو قرآن پر ایمان لائے، میری زمین بڑی کشادہ ہے۔ دیکھو، بندگی صرف میری ہی کرنا۔ یہاں مکہ میں رہتے ہوئے اگر بندگی پر کاربند ہونا مشکل ہے تو ہجرت کر جاؤ۔ اللہ نے تمہارے لیے ٹھکانے رکھے ہوئے ہیں۔ تمہیں بہرحال اسی دین پر کاربند رہنا ہے۔ اپنے آبائی مقام کو چھوڑنا جہاں ہزاروں سال سے تمہارے خاندان آباد ہیں یقیناً تمہیں بھاری لگ رہا ہوگا۔ لیکن تمہیں اور دنیا کے ہر شخص کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ آخر اس دنیا میں سے بھی تو ایک دن جانا ہوگا۔ تم میں سے کوئی بھی یہ گارنٹی لے کر نہیں آیا کہ وہ یہاں ہمیشہ رہے گا۔ تو جب دنیا کو چھوڑنا ہے تو اللہ کے دین کی خاطر اپنا وطن اور سرزمین سے ہجرت کرنے سے گھبراتے کیوں ہو۔

اب آگے جو بات فرمائی، اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی بشارت ہے جنہوں نے اپنی زندگی دین کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بسر کی ہو۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۵۸ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۵۹﴾

”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو ہم بہشت کے اونچے اونچے محلوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے (نیک) عمل کرنے والوں کا (یہ) خوب بدلہ ہے۔“

یعنی جو لوگ ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کرتے رہے، اللہ سے جو عہد بندگی کیا تھا اس پر قائم رہے، اس عہد کو نبھاتے رہے انہیں اللہ جنت میں بالاخانے عطا کرے گا۔ جن کے دامن میں چشمے اور ندیاں رواں ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی عمدہ بدلہ ہے ان کا جنہوں نے دنیا میں محنت کی ہوگی۔ دنیا میں محنت تو سب کرتے ہیں۔ لیکن اِن کی محنت مختلف تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے قناعت سے کام لیا، صبر کیا، رُکے رہے۔ صلاحیتیں ان کے پاس بھی تھیں۔ وہ اُن کو دنیا بنانے میں استعمال کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ دین پر جمے رہے۔ اور اپنے رب ہی پر توکل کیے رہے۔

یہ قرآن مجید کے تین مقامات ہیں، ان کے حوالے سے میں نے چاہا کہ تذکیر کروں، کیونکہ اس وقت مجھے، میرے خاندان، میرے رفقاء و احباب اور والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور سے عقیدت رکھنے والے دوسرے تمام مسلمانوں کو سخت صدمے کا سامنا ہے۔ یقیناً والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی وفات ہم سب کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ ان کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو شاید کبھی پُر نہ ہو سکے۔ ان کی خدمات اتنی ہیں کہ شاید کوئی بیان بھی نہ کر پائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جو مقام دیا تھا، وہ آپ پر عیاں ہے۔ ہمیں تو یوں بھی حکم ہے کہ اپنے وفات پا جانے والوں کا بھلائی کے ساتھ ذکر کرو۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی تو ہمارے لیے ایک درخشاں مثال ہے۔ اُن کی حیات اور دینی خدمات میں ہمارے لیے جو سبق اور رہنمائی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ دیکھئے، یوں تو ہر شخص دنیا میں کچھ نہ کچھ صلاحیت اور استعداد لے کر آتا ہے۔ تاہم بعض لوگوں کو کچھ غیر معمولی صلاحیتیں عطا ہوتی ہیں۔ والد گرامی کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اعتبارات سے اُنہیں انتہائی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اللہ نے انہیں انتہائی ذہانت، سمجھداری، معاملہ فہمی اور بہت اعلیٰ درجے کی قوت بیان عطا فرمائی تھی۔ اور پھر اللہ نے انہیں پیغام قرآنی کی نشر و اشاعت کے مشن کے لیے چن لیا، تاکہ ان صلاحیتوں کو وہ خدمت قرآنی کے لیے استعمال کریں۔ یہ اُن کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ذہانت و دانائی اور قوت بیان دو ایسی صلاحیتیں ہیں کہ یہ جس شخص میں بھی پائی جائیں وہ خواہ دنیا کے کسی بھی میدان کا رُخ کرے، اُس میں بہت آگے جا سکتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر ڈاکٹر صاحب مرحوم نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا ہوتا تو اس وقت وہ پاکستان کے چوٹی کے وکلاء میں شمار ہوتے، جو کسی ایک کیس کے لیے کروڑوں روپے فیس لیتے ہیں۔ وکالت کے پیشے کے اعتبار سے بھی دنیا میں بھی ان کا لوہا مانا جاتا۔ لیکن اُنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو دنیا بنانے میں استعمال نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دین کی خدمت کے لیے چن لیا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے پوری زندگی غلبہ و اشاعت دین کا کام کیا۔ اُن کے خطابات اور دروس قرآن سے ہزاروں لاکھوں افراد کی زندگیاں بدلیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کے لیے احسان مندی کے جذبات ہیں۔ لیکن ہم اُن کے اس احسان کا بدلہ محض تعریف کر کے نہیں دے سکتے۔ صرف تعریف کریں گے تو وہ تو ہوا میں تحلیل ہو جائے گی۔ ہمارا کرنے کا کام یہ ہے کہ اُن کے مشن کو آگے بڑھائیں۔ ہم ان کے احسانات کا بدلہ اپنے اعمال کی اصلاح کر کے اور اُنہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھ کر دے سکتے ہیں۔ والد محترم کی زندگی کے دو اہم کارنامے ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس امت اور خاص طور پر مسلمانانِ پاکستان پر ایک حجت قائم کر دی۔ پہلا یہ کہ انہوں نے قرآن حکیم کا پیغام پھیلایا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے مالٹا سے رہائی کے بعد ایک مجلس میں اپنے غور و فکر کا حاصل مسلمانوں کے پستی کے دو

اسباب کی صورت میں بیان کیا تھا: یعنی قرآن کو چھوڑ دینا اور آپس کے اختلافات۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ میں تہیہ کر کے آیا ہوں کہ عوامی درس قرآن کے حلقے قائم کروں گا۔ قبل ازیں قرآن مجید کی درس و تدریس محض مدارس میں ہوا کرتی تھی۔ اعلیٰ علمی لیول پر علماء ہی قرآن پڑھتے پڑھاتے اور سمجھتے سمجھاتے تھے۔ عام طور پر کہا جاتا تھا کہ عام آدمی کو قرآن کی سمجھ نہیں آ سکتی۔ شیخ الہندؒ نے عوامی درس قرآن کا تہیہ کیا، تاکہ قرآن کا پیغام عام لوگوں تک بھی پہنچے۔ قرآن جو ھدی للناس ہے، جو پوری نوع انسانی کے لیے ہدایت نامہ ہے اس کا نور عام ہو۔ اس اُمت کی یہ بدقسمتی ہے کہ مسلمان اللہ کے اس پیغام سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ گھروں میں قرآن مجید کے 20، 20 نسخے رکھے ہوتے ہیں، مگر کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں ہمارے لیے پیغام کیا ہے۔ شیخ الہند نے عوامی درس قرآن کا جو خواب دیکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسے والد محترم کے ذریعے تعبیر عطا فرمائی۔ اُن کے ذریعے دروس قرآن کا ایک وسیع عوامی سلسلہ چل نکلا۔ انہی کے ذریعے رمضان کی راتوں میں بیان القرآن کا آغاز ہوا۔ مجھے یاد ہے، انہی کے ذہن میں پہلی مرتبہ یہ خیال آیا کہ لوگ رمضان میں تراویح کے دوران پورا قرآن سن لیتے ہیں، لیکن قرآن کا ایک لفظ بھی اُن کے پلے نہیں پڑتا۔ قرآن کی ہدایت سے وہ بالکل محروم رہتے ہیں۔ اگرچہ انہیں ثواب مل جاتا ہے کہ انہوں نے ایک نیک کام کیا، قرآن سنا، سنایا، پڑھا، لیکن قرآنی ہدایت اور علم و عرفان سے انہوں نے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے چاہا کہ ماہ رمضان المبارک میں تراویح کے دوران روزانہ پارہ سوا پارہ کے حساب سے پورے قرآن کا ترجمہ کیا جائے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے، اس کے مضامین کیا ہیں، اس میں کیا احکامات ہیں، اس میں حکمت اور معرفت کے کیسے کیسے عظیم ذخائر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے تراویح کے ساتھ بیان القرآن کا آغاز کیا تو یہ سن 1984ء میں جون کا مہینہ تھا۔ دن کو سخت ترین گرمی پڑتی تھی اور راتیں چھوٹی تھیں۔ اس زمانے میں ابھی AC وغیرہ عام نہیں ہوئے تھے۔ جب انہوں نے اس کام کے آغاز کے لیے مشورہ کیا تو سب نے کہا کہ یہ تو ناقابل عمل ہے۔ سخت گرمی کے دنوں اور چھوٹی راتوں میں اتنی دیر تک کون جاگ سکتا ہے۔ مگر اِس کے باوجود انہوں نے اللہ کے بھروسے پر دورۂ ترجمہ قرآن کا آغاز کیا۔ راتیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے پورے پارے کا ترجمہ کرتے وقت وقت اتنا کم رہ جاتا تھا کہ لوگ بمشکل گھروں میں پہنچ کر سحری کرتے تھے۔ یہ تو آغاز تھا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کو وہ قبول عام عطا کیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ الحمدللہ، اب ملک کے بہت سے مقامات پر یہ کام ہو رہا ہے۔ کراچی اور لاہور کے بیشتر مقامات کے علاوہ پاکستان کے دیگر کئی شہروں میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہو رہے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے 1998ء کے بیان القرآن کو جو قرآن اکیڈمی کراچی میں ہوا اور ریکارڈ ہو گیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں پہنچانے کا بندوبست فرما دیا ہے۔ اللہ کی طرف سے اِس بیان القرآن کی خصوصی پذیرائی ہوئی۔ درس قرآن تو ڈاکٹر صاحب پچاس سال سے دے رہے تھے۔ لیکن اُن کا بیان القرآن کا یہ پروگرام پاکستان کے ایک بہت اہم ٹی وی چینل سے نشر بھی ہوتا رہا ہے (اور اب کتابی صورت میں بھی شائع ہونا شروع ہو گیا ہے)۔ اس کے نشر ہونے سے لوگوں کی آنکھیں کھلیں، انہیں مسلمان ہونے کا مطلب سمجھ میں آیا۔ الحمدللہ، یہ ٹی وی کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلا۔ اگرچہ کچھ عرصہ پہلے ایک طبقے نے ایک سازش کے تحت ہنگامے کر کے ٹی وی چینل سے یہ پروگرام بند کروا دیا ہے۔ یہ لوگ نہیں چاہتے کہ قرآن کا پیغام پھیلے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک اور راستہ کھول دیا۔ اب ''پیس ٹی وی'' کے ذریعے پوری دنیا میں قرآن کا یہ پیغام پہنچ رہا ہے، اور ان شاء اللہ پہنچتا رہے گا اور یہ ڈاکٹر صاحب کے لیے صدقۂ جاریہ بنے گا۔

ڈاکٹر صاحب کی وفات پر علماء کرام اور دوسرے اہل علم و دانش کے جو بیانات آ رہے ہیں، اُن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی سب سے بڑی achivement قرآن حکیم کا پھیلانا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے جس انداز سے قرآن کو پھیلایا اس دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ سعادت انہیں کے حصے میں آئی ہے۔ 14، 15 سال پہلے کا ذکر ہے۔ ہمارے ملک کے ایک مشہور صحافی مجیب الرحمٰن شامی صاحب ماہ رمضان کی چند راتوں میں مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی (ماڈل ٹاؤن لاہور) میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام میں شریک ہوئے۔ بعد ازاں انہوں نے ایک کالم لکھا، جس میں کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد تو قرآن کے قوال ہیں۔ مجموعی طور پر انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تحسین کی تھی، لیکن یہ لفظ بعض لوگوں کو پسند نہیں آیا۔ لیکن بانیٔ تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگر یہ لفظ قرآن کے حوالے سے ہے، تو مجھے قبول ہے۔ واقعتاً ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے یہ لفظ بہت بامعنی تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے بار بار درس قرآن دیا۔ کئی بار منتخب نصاب کا درس دیا۔ بارہا دورۂ ترجمہ قرآن کرائے۔

ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کے بیان کی جو تکرار کی ہے وہ دنیا کے طول و عرض میں پہنچی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی وفات پر نہ صرف ملک کے کونے کونے سے بلکہ کشمیر، ہندوستان اور دوسرے ممالک سے بھی تعزیتی پیغامات آ رہے ہیں۔ اور اسی بنا پر سخت گرمی کے باوجود ہزاروں افراد نے اُن کی نماز جنازہ میں شرکت کر کے اُن کی دعائے مغفرت کی اور اُن سے اپنی عقیدت اور وابستگی کا عملی ثبوت دیا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی دوسری خصوصیت حق گوئی تھی۔ وہ ہر حال میں حق بات کہتے، چاہے کوئی ناراض ہو جائے۔ حق بات کہنے والے کا معاملہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بے گانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

لیکن اُن کی حق گوئی کے باوجود اُن سے لوگوں کی بے پناہ محبت و عقیدت اور اُن کے لیے والہانہ جذبات صرف اور صرف قرآن کا اعجاز ہے۔ قرآن کا جو پیغام ان کی زبان سے لوگوں تک پہنچا، یہ اِس کی تاثیر ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں والد محترم کی محبت ڈالی۔

والد محترم کی زندگی میں ایک اور قابل تقلید چیز یہ ہے کہ جب انہوں نے یہ طے کر لیا کہ اپنی پوری زندگی غلبہ و اشاعت دین اور قرآنی تعلیمات کے فروغ کے کام میں لگانا ہے تو پھر انہوں نے ایک دن بھی تلاش معاش میں نہیں لگایا۔ جس راستے کو انہوں عملاً علی وجہ البصیرت اختیار کیا، تادم مرگ اُسی پر گامزن رہے۔ انہوں نے جب طے کیا کہ قرآن کا پیغام خلق خدا تک پہنچانا ہے، اس پر عمل کرنا ہے، اس پر عمل کی تعلیم دینی ہے، اسی کا نظام قائم کرنا ہے تو اس پر بھرپور استقامت اختیار کی۔ اُن کی زندگی کا اختتام بھی اسی راستے پر ہوا۔ حالانکہ اس دور میں کتنے ہی مواقع آئے جب وہ سیاسی مفادات اور مالی منفعت حاصل کر سکتے ہیں اور یہ بڑا امتحان اور آزمائش تھی۔ لیکن اللہ نے انہیں استقامت دی۔ ڈاکٹر صاحب خود کہتے تھے کہ میں کچھ عرصے کے لیے غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ضیاء الحق مرحوم نے جب اسلام کا نعرہ لگایا تو شروع میں میں نے محسوس

کیا کہ وہ اسلام کے بارے میں سنجیدہ اور اسلامائزیشن کے حوالے سے مخلص ہیں۔ اس بنا پر میں ان کی مجلس شوریٰ میں شامل ہونے کے لیے تیار ہوگیا۔ انہوں نے مجھے وزارت کی بھی آفر کی مگر میں نے یہ کہہ کر اُسے قبول کرنے سے انکار کردیا کہ میں اس معیار کا آدمی نہیں ہوں۔ رہی مشورے کی بات تو میں مسجد کے منبر سے بھی مشورہ دیتا ہوں۔ اگر قریب سے مشورہ دینے کا موقع ہاتھ آرہا ہے، تو اس سے کیوں نہ فائدہ اُٹھاؤں۔ لیکن اُن کی مجلس شوریٰ میں جاکر اندازہ ہوا کہ یہ انہوں نے محض خالصتاً سیاسی مقاصد کے لیے بنائی ہے۔ نفاذِ شریعت اور تنفیذ دین کے کوئی آثار نظر نہیں آئے، تو دو ہی مہینے کے بعد میں استعفا دے کر واپس آ گیا کہ میرا یہاں وقت ضائع ہورہا ہے، جو میرا مشن ہے وہ مجھے زیادہ عزیز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت میں قابل تقلید مثالیں چھوڑی ہیں۔ آپ سب کی خواہش یہ ہے کہ اُن کے احسانات کا بدلہ چکایا جائے، اُن سے اظہار عقیدت کیا جائے۔ عملاً میرے اور آپ کے لیے اُن کی زندگی میں پیغام صرف یہ ہے کہ ہم اُن کے چھوڑے ہوئے مشن کو لے کر آگے بڑھیں۔ اُن کی فکر اور پیغام سے فائدہ اُٹھائیں، اُسے حرز جان بنائیں، قرآن وسنت کی تعلیمات کو اپنائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جب انسان مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں۔ (یہ تین اعمال ہیں) صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع اُٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اُس کے لیے دعا کرتی رہے۔“ (رواہ مسلم) ڈاکٹر صاحب نے علم قرآن چھوڑا ہے۔ اس علم سے آپ لوگ جتنا فائدہ اُٹھائیں گے اور اس پر عمل کریں گے، اتنا ہی ثواب ان کے اعمال نامے میں جمع ہوتا رہے گا۔ یہ کام ہے جو آپ کرسکتے ہیں۔ آپ دین کی پیروی کریں۔ ہم پر دین و شریعت کی پیروی لازم ہے۔ دین کی اصل کتاب وسنت ہے۔ لہٰذا قرآن کو مضبوطی سے تھامئے۔ سنت رسولؐ کے مطابق زندگی کی تعمیر کیجئے۔ اللہ نے یہ دین اسی لیے دیا کہ اسی کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ یہی امتحان زندگانی ہے۔ اللہ نے خیر اور شر کو واضح کردیا ہے۔ ہمارے سامنے دو راستے ہیں: ایک راستہ اللہ تعالیٰ نے بتایا جو دین وشریعت کا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ نفسانی خواہشات، زمانے کے چلن اور شیطانی خیالات وترغیبات کا ہے۔ یہ دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے نجات وکامیابی کا راستہ یہ ہے کہ پورے شعور کے ساتھ دین محمدیؐ کی پیروی کریں ۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

قرآن وسنت مضبوطی سے تھامیں۔ قرآن کو زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔ یہ رشد وہدایت ہے۔ یہیں سے ایمان و یقین کی دولت نصیب ہوگی۔ اسی سے رہنمائی ملے گی۔ اسی سے اللہ پر توکل اور بھروسا بڑھے گا، کیونکہ اصل سرچشمہ یہ ہے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گزاریں اور اسے اپنا امام اور راہنما بنائیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دین حق کی صورت میں جو دستور عطا کیا اور قرآن و سنت کی شکل میں جو قانون دیا، اس کو اپنی اجتماعی زندگی میں غالب کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مجرم ہیں۔ یہ سبق ہے جو ڈاکٹر صاحب کی شخصیت سے ہمیں ملتا ہے۔

لوگوں نے ڈاکٹر صاحب سے اپنی عقیدت کا اظہار اس لیے کیا کہ اُن تک ڈاکٹر صاحب کی زبان سے قرآن کی اصل تعلیمات پہنچیں۔ اُن کے پیغام کا حاصل دو کام ہیں۔ قرآن کی تعمیل واشاعت، اور اس نظام کے قیام کی جدوجہد جو قرآن وسنت کے ذریعے ہمیں عطا ہوا ہے یعنی دین مصطفیٰؐ، دین حق کے غلبہ و اقامت کی جدوجہد۔ یہ ہمارے بنیادی دینی فرائض میں سے ہے۔ مسلمانوں کا معاشرہ ہو اور وہاں اللہ کے دین کو قائم نہ کیا جائے تو یہ اللہ سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ مسلمانوں کے ملک میں سودی نظام کا ہونا بہت بڑا جرم ہے۔ قرآن میں فرمایا ہے کہ اگر سود نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ ہمارے ملک پاکستان کے حالات 62 سالوں سے کیوں نہیں سدھر رہے۔ یہ بد سے بدتر کیوں ہوتے جارہے ہیں۔ اس لیے کہ ہم نے شریعت سے بغاوت کی روش اپنا رکھی ہے۔ بحیثیت مجموعی ہم دین وایمان کے حوالے سے اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف حالت جنگ میں ہیں۔ پھر ہماری حالت کیسے سدھر سکتی ہے۔ مسلم امہ کو بہترین امت کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ اُسے پوری دنیا تک دین پہنچانا اور اُس کی حجت قائم کرنا ہے۔ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم دنیا پر دین حق کی گواہی کیا دیں، ہم تو دین کے خلاف دنیا کو پیغام دے رہے ہیں۔ ہم دنیا والوں کو زبان حال سے یہ بتا رہے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ کا دین، دین مصطفیٰ ﷺ قابل عمل نہیں ہے۔ اگر یہ قابل عمل ہوتا تو سب سے پہلے ہم نے اپنے یہاں اسے نافذ کیا ہوتا۔ افسوس ہم نے اپنے آپ کو دین سے دور رکھا ہے۔ ہم نے نظام مصطفیٰ ﷺ کو قریب نہیں آنے دیا، بلکہ جو شریعت کا نام بھی لیتا ہے ہم اس کو کچل کر رکھ دیتے ہیں، اور اسلام دشمنوں کو زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہاری ہی فوج کے سپاہی ہیں۔ تمہیں بھی دین وشریعت اور نظام خلافت سے ڈر ہے، تو یہ ڈر ہمیں بھی ہے۔ لہٰذا ہم بھی اس نظام کو کچلنا چاہتے ہیں۔ یہی دوٹوک بات بانیٔ محترم نے نائن الیون کے موقع پر پرویز مشرف کے منہ پر کہی تھی۔ افغان پالیسی پر یوٹرن پر انہوں نے کہا تھا کہ طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے لیے طاغوتی اور امریکی قوت کا ساتھ دینے کا جو فیصلہ آپ نے کیا ہے، یہ نہ صرف عدل وانصاف کے مسلمہ اصولوں سے اور مسلم بھائی چارے سے غداری ہے، بلکہ یہ اللہ، رسولؐ اور قرآن سے بھی غداری ہے، اور اس غلط فیصلہ کے ہمیں بدترین نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو حق بات کل کہی تھی آج پوری قوم اُس کی صداقت کا مشاہدہ کررہی ہے۔ آج ہم امریکہ کا ساتھ دینے کے خوفناک نتائج بچشم سر دیکھ رہے ہیں۔

بہرحال آپ اُس پیغام پر عمل کریں جو ڈاکٹر صاحب کے ذریعے آپ کو پہنچا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا پیغام قرآن وسنت کی تعمیل واشاعت اور تنفیذ ہے۔ اس پیغام پر آپ خود بھی عمل کریں، اور اس نظام کے قیام کی جدوجہد میں ہمارے ساتھ شامل ہوں۔ ان شاء اللہ آپ کا یہ عمل ان کے لیے صدقہ جاریہ بنے گا۔ اگر ہم یہ کام کریں، اور ہمارا عمل اُن کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو مزید سکون عطا کرے گا۔ بحیثیت مجموعی ڈاکٹر صاحب مرحوم پاکستان کے موجودہ حالات سے بہت مایوس تھے۔ وہ بہت صدمے کی کیفیت میں تھے۔ لیکن وہ یہ امید بھی رکھتے تھے کہ شاید اللہ ہمیں قوم یونسؑ کی طرح توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ ڈاکٹر صاحب تو وہاں چلے گئے جہاں ہم سب کو جانا ہے مگر ان کی فکر اور اُن کا چھوڑا ہوا لٹریچر موجود ہے۔ آپ ان کی کتب کا مطالعہ کریں، اُن کے دروس و بیانات کی سی ڈیز سے استفادہ کریں، اُن کے قائم کیے ہوئے اداروں انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کا ساتھ دیں اور انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ یہی اُن سے اظہار عقیدت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کے لیے اپنا تن من دھن لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا

محمد عطاء اللہ صدیقی

14 اپریل کی صبح تقریباً تین بجے دین وملت کا ایک شاہ بلوط اس دارفانی سے ٹوٹ کر عالم فنا میں غائب ہوگیا، جہاں سے واپس کوئی نہیں آتا۔ 14 اپریل 2010ء کی صبح کو جب اہل لاہور کی آنکھ کھلی تو وہ عالم اسلام کی عظیم شخصیت ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال کی خبر سن کر شدید صدمہ سے دوچار ہوئے۔ شہر لاہور جو اپنے دامن میں علماء وفضلاء کی موجودگی میں ہمیشہ نازاں رہا ہے اپنے ایک بطل جلیل کے سانحۂ ارتحال سے سوگوار ہوگیا۔ قحط الرجال کے سلگتے صحرا میں ڈاکٹر صاحب ایک شاہ بلوط کے درخت کی طرح تھے۔ افسوس کہ ملت اسلامیہ اور اہل پاکستان بالخصوص ایک ایسی ہستی سے محروم ہوگئے جن کے پیدا کرنے میں قدرت بہت زیادہ فیاض نہیں رہی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نادر روزگار تھے۔ ان جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اقبال نے اس طرح کے عظیم شخصیات کے بارے میں ہی کہا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ڈاکٹر صاحب کی رحلت کی خبر سن کر دل بیٹھ گیا۔ ایک صدمہ تھا جو اعصاب شکن تھا۔ ساری مصروفیات کو ختم کر کے قرآن اکیڈمی پہنچا۔ عجیب دل فگار منظر تھا۔ اداس کر دینے والی ہستی کے آخری دیدار کے لیے خواتین وحضرات گروہ در گروہ آ رہے تھے۔ ان کا جسد خاکی ایک چھوٹے سے کمرے میں رکھا تھا۔ خواتین کو پہلے موقع دیا گیا۔ باری آنے پر جب میں اس کمرے میں پہنچا تو جذبات پر قابو نہ رہا۔ وہ سفید اجلے کفن میں ملبوس بے حد سکون سے لیٹے تھے۔ صرف چہرہ کھلا تھا۔ میری نظر جب ان کے چہرے پر پڑی تو یقین نہیں آتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب معمول کی نیند میں ہیں یا ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اقبال کا یہ شعر ڈاکٹر صاحب اکثر پڑھا کرتے تھے ؎

نشان مرد مومن با تو می گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

ان کا چہرہ مبارک اس شعر کی تصویر تھا۔ اس کمرے میں ان کے عقیدت مند صدمے اور صبر کے درمیان کشمکش میں مبتلا نظر آئے۔ آنکھیں نم ناک تھیں، دل افسردہ تھے مگر لبوں پر آہ و بکا نہ تھی کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے منافی ہے۔ بعض افراد کو دیکھا کہ دیواروں سے لگ لگ کر سسکیاں لے رہے تھے۔ تنظیم اسلامی کے سینکڑوں کارکن اپنے عظیم رہنما اور امام انقلاب کے انتقال پر ایک دوسرے کو پرسہ دے رہے تھے۔

ان کی نماز جنازہ سنٹرل پارک ماڈل ٹاؤن میں ادا کی گئی۔ ان کے صاحبزادے حافظ عاکف سعید نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔ یہ نماز جنازہ بذات خود بچھڑنے والی عظیم روح کو زبردست خراج تحسین تھا۔ یوں لگتا تھا کہ پورا شہر پلٹ پڑا ہے۔ ماڈل ٹاؤن پارک کے باہر سرکلر روڈ پر کہیں بھی گاڑی پارک کرنے کو جگہ نہ تھی۔ مجھے خود بہت دور ایک مارکیٹ کے کونے میں بڑی مشکل سے گاڑی پارک کرنے کو جگہ ملی۔ لوگ ہر طرف سے دیوانہ وار دوڑ رہے تھے۔ ٹی وی چینلز کی ٹیمیں براہِ راست کوریج کے لیے جذبہ مسابقت کا اظہار کر رہی تھیں۔ نماز جنازہ ختم ہوئی تو لوگ ڈاکٹر صاحب کے آخری دیدار کے لیے ٹوٹ پڑے۔ قرآن مجید کے عظیم داعی کے آخری دیدار کی ایک جھلک کے لیے لوگ بے تاب نظر آتے تھے۔ حاضرین اداس اور افسردہ تھے۔ ہزاروں آنکھیں نم ناک تھیں۔ اسلامی انقلاب کی حسرت رکھنے والے شیدائیوں کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد روشنی کا مینار تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی آدرش اب حسرت ناتمام بن کے رہ جائے گی۔ ایک روشن چہرہ بزرگ کو کہتے سنا گیا اتنا بڑا جنازہ لاہور کی تاریخ میں نہیں دیکھا گیا۔ ایک صاحب کہہ رہے تھے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے جنازے میں میں شریک تھا مگر ڈاکٹر صاحب کے جنازے کے شرکاء زیادہ ہیں۔ شہر لاہور اس سے پہلے مولانا احمد علی لاہوری، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مفتی محمد ادریس کاندھلوی، مفتی محمد حسین نعیمی اور تقریباً 70 برس پہلے علامہ اقبال کے سفر آخرت کے مناظر دیکھ چکا تھا، آج پھر ایک عظیم انسان اور نابغۂ عصر کی رحلت کا سانحہ جانکاہ اسے دیکھنا پڑا تھا۔

یہ چند سطور مختصر ذاتی تاثر پر مبنی ہیں۔ آنے والے دنوں میں ڈاکٹر اسرار کی زندگی، فکر اور خدمات کے حوالے سے مضامین اور پروگراموں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ راقم الحروف کا ذاتی تاثر یہ ہے کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے انتقال کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد اسلامی انقلاب کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ 1978ء میں جب ایران میں خمینی کی قیادت میں انقلاب آیا تو اس کے اثرات پورے عالم اسلام پر پڑے۔ ایرانی انقلاب کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے بے حد جوش وخروش سے اسلامی انقلاب، کیوں اور کیسے جیسے موضوع پر خطبات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ بہت جلد وہ امام انقلاب بن کر ابھرے۔ انہوں نے دروس قرآن کو اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لیے بطور حکمت عملی استعمال کیا۔ ان کی دعوت کا مرکزی نکتہ رجوع الی القرآن تھا۔ ان کی تقاریر وتحریروں میں اسی فکر کی وضاحت پر زور دکھائی دیتا ہے۔

انہوں نے اپنی فکر کو بڑے وقار اور دانش مندی سے آگے بڑھایا۔ وہ جلد بازی اور عجلت میں کوئی اقدام اُٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کسی دینی رہنما کے حلقے میں سو دو سو نوجوان شامل ہو جائیں تو وہ جہاد بالسیف اور حکومت کے خلاف عسکری جدوجہد کے نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر آفرین ہے ڈاکٹر اسرار احمد کی حکمت ودانائی پر کہ ہزاروں نوجوان ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے مگر انہوں نے عسکری جدوجہد اور ٹکراؤ کی پالیسی کبھی نہیں اپنائی۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی مکی زندگی سے اپنی حکمت عملی کے لیے دلائل پیش کرتے تھے۔

حافظ عاکف سعید نے بتایا کہ انہیں 1967ء میں پہلی دفعہ تنظیم اسلامی اور ایک انقلابی جماعت بنانے کا خیال آیا۔ مشاورت ہوتی رہی۔ بالآخر یہ جماعت 1975ء میں قائم ہوگئی۔ وہ جنرل ضیاء الحق صاحب سے ان کی مذہب پسندی کی وجہ سے اچھی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اس دور میں کچھ دیر کے لیے مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ مگر بہت جلد انہیں احساس ہوگیا کہ جنرل ضیاء الحق اسلامی نظام سے زیادہ اپنے عرصۂ حکومت کو طول دینے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے مجلس شوریٰ کی رکنیت سے استعفا

دے دیا۔ اسی طرح 1997ء میں جب میاں نواز شریف صاحب کو انتخابات میں عدیم النظیر کامیابی ملی تو وہ اپنے والد میاں محمد شریف مرحوم اور میاں شہباز شریف کی ہمراہی میں ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئے اور ان سے مشاورت کی۔ ڈاکٹر صاحب اس ملاقات کی تفصیلات بتایا کرتے تھے۔ انہوں نے میاں نواز شریف کو سب سے پہلے سودی نظام کے خاتمہ کے لیے اقدامات اُٹھانے کا مشورہ دیا۔

مجھے ان کی انقلابی جدوجہد کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کی سادگی، دینداری اور ذاتی زندگی میں عاجزی نے بے حد متاثر کیا۔ ڈاکٹر صاحب اگر چاہتے تو بے پناہ دولت کما سکتے تھے۔ ان کے بھائیوں نے کاروبار میں کروڑوں روپے کمائے مگر انہوں نے دولت جمع کرنے کی کاوش کبھی نہ کی۔ ان کی ساری جدوجہد قرآن وسنت کی دعوت کے لیے مخصوص تھی۔ انہوں نے شروع سے سادہ رہن سہن اختیار کیا۔ 1978ء میں جب ماڈل ٹاؤن میں منتقل ہوئے تو وہاں قرآن اکیڈمی کے دو کمروں پر مشتمل آٹھ فلیٹوں میں سے ایک فلیٹ میں رہائش اختیار کی، باقی سات فلیٹ تنظیم اسلامی کے ارکان کے لیے مخصوص کر دیئے گئے۔ چند سال پہلے انہوں نے اپنے ذرائع آمدنی اور اخراجات کی تفصیلات پر مبنی ایک کتابچہ تحریر کیا۔ یہ کتابچہ پڑھ کر بے حد حیرت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس قدر مالی بدحالی میں قناعت کی زندگی گزار رہے تھے۔ پانچ چھ برس پہلے مجھے ان سے اسی فلیٹ میں ملنے کا موقع ملا جس میں وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ ہر طرف سادگی نظر آتی تھی۔ ان کے ایک رفیق نے بتایا کہ اس فلیٹ کا فرنیچر تیس سال سے زیادہ پرانا ہے۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کو خرچ کرنے کے لیے صرف آٹھ ہزار روپے ماہوار ملتے تھے جس کا بڑا حصہ ان کے بیٹے ڈاکٹر عارف رشید دیتے تھے۔ ان کے پاس پہننے کے لیے محض دو چار سوٹ تھے، دو تین واسکٹ تھیں، جنہیں وہ بدل بدل کر پہنتے تھے۔ کھانا بے حد سادہ تھا۔ ان کی ذات عملی تقویٰ اور تدین کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ وہ معاشرے سے غلط رسومات کے خاتمے کی بات کرتے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے خاندان سے ابتدا کی۔ اُن کے بیٹے اور بیٹیوں کی شادیاں اسلامی طریقے پر ہوئیں۔ مسجد میں بے حد سادی تقاریب میں نکاح خوانی ادا کی گئی۔ کسی تکلف اور بے جا اسراف سے گریز کیا گیا۔

راقم الحروف کو لاہور کے دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث مسالک کے علماء ومشاہیر سے ملنے اور ان کے خاندانوں کے متعلق براہِ راست جاننے کے متعدد مواقع ملے ہیں۔ میں بے حد یقین اور دیانتداری سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر اسرار احمد اس اعتبار سے بے حد خوش قسمت تھے کہ ان کی اولاد ان کی جدوجہد میں ان کا دست وبازو بنی رہی۔ ان کے بیٹے اور بیٹیاں اپنے عظیم والد کی فکر اور طرز زندگی دونوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے، ان میں سے کوئی بھی اپنے عظیم والد کی اعلیٰ صفات سے متصف نہ ہو۔ مگر ان کے بارے میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے والد کے راستے سے جدا راستہ اپنائے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی بہت بڑی Legacy اور روایت ان کے دروس قرآن اور رمضان شریف میں نماز تراویح کے دوران ترجمہ وتفسیر کا عمل تھا۔ ان کی زندگی میں چالیس سے زیادہ مساجد میں یہ اہتمام ہوتا تھا۔ راقم الحروف کو بارہا اس میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ ایک عجیب روحانی ثقافت کا احساس ہوتا تھا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد ایسے اجتماع میں بڑی دلچسپی سے شریک ہوتے رہے ہیں۔

ایک اور بات جو ڈاکٹر صاحب کے بارے میں نہایت اہم ہے، وہ ان کا غیر متزلزل عزم اور بلا کی استقامت اور استقلال ہے۔ گزشتہ دس برسوں میں بہت سے لوگ اسلامی انقلاب کی منزل کو دور دیکھ کر قدرے مایوسی کا شکار ہوئے مگر ڈاکٹر صاحب کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوئے۔ وہ نتائج سے زیادہ اپنے نظریہ کی صداقت اور جدوجہد کے صحیح ہونے پر انمٹ یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے جس عظیم ہدف کے حصول کے لیے اپنی جوانی، ادھیڑ پن اور پھر شباب آور پیرانہ سالی لگا دی تھی اس پر انہیں بالکل تاسف نہیں تھا۔ انہیں اپنے مشن کے متعلق انشراح صدر تھا اور ان کے نزدیک سب سے بڑی کامیابی اور خوش بختی ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی زندگی کو اس کے راستے پر لگا دے۔ منزل سے زیادہ منزل کے حصول کی جدوجہد ان کے لیے اہم تھی۔ یہ بات انہوں نے فکر اقبال سے حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب کے خطبات سننے کا جن لوگوں کو موقع ملا ہے، وہ گواہی دیں گے کہ وہ فرقہ وارانہ مسالک کے تعصبات سے بالاتر تھے۔ وہ بے حد وسیع المشرب دینی سکالر تھے۔ وہ اگرچہ حنفی مسلک سے دلی قربت رکھتے تھے مگر ماہ رمضان میں بارہا ان کے ہاں سلفی مسلک کے شرکاء کی تالیف قلب کے لیے نماز وتر ان کے طریق پر ادا کی جاتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب خود کہا کرتے تھے کہ ان کی فکر پر شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار کے اثرات تھے۔ ابوالکلام آزاد کے متعلق البتہ انہیں کہتے ہوئے سنا گیا کہ 1919ء میں ان کی فکری موت واقع ہو چکی تھی جب وہ گاندھی کے ساتھ متحدہ قومیت کے علمبردار بن کر ابھرے۔ وہ تبلیغی جماعت کی بھی تعریف کرتے تھے اور اصلاح اعمال میں ان کی خدمات کے معترف تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد اسلامی نظام کے نفاذ کو پاکستان کے معاشی، سماجی اور اخلاقی مسائل کے حل کے لیے ناگزیر سمجھتے تھے۔ وہ ضروری تبدیلیوں کے ساتھ نظام خلافت کے قیام کے داعی تھے۔ خدا نے انہیں خطابت اور تحریر دونوں کے اعلیٰ اوصاف عطا کیے تھے۔ ان کی تقاریر اور مضامین مردہ دلوں کو گرما دیتی تھیں۔ ان کی تحریروں میں بھی خطیبانہ اور داعیانہ اسلوب غالب ہے۔ موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے زیر وبم کے استعمال پر انہیں قابل رشک دسترس حاصل تھی۔ ان کے لہجے میں وقار، عظمت اور متانت جھلکتی تھی۔

جب ان کا جسد خالی لحد میں اتارا جا رہا تھا تو نجانے بار بار بلھے شاہ کا یہ شعر زبان پر کیوں آتا تھا۔

بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں
گور پیا کوئی ہور

وہ علامہ اقبال کے والا وشیدا تھے۔ وہ بے حد تواتر سے شاعر مشرق کے اشعار کو تحریر وتقریر میں استعمال کرتے تھے۔ وہ اپنی ذات میں ایک عظیم اقبال شناس بھی تھے۔ علامہ اقبال کی یہ رباعی انہیں بہت پسند تھی۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

ڈاکٹر صاحب کے عقیدت مند ان کی شخصیت میں اسی دانائے راز کی جھلک دیکھتے تھے۔ اب جبکہ یہ نادرۂ روزگار ہستی بھی اس جہاں میں نہیں رہی تو واقعتاً بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اب ایسے لوگ کہاں ہیں جنہیں دانائے راز کہہ سکیں۔ ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے انتقال پر نعیم صدیقی صاحب نے ''اک شاہِ بلوط ٹوٹ گرا'' کے عنوان سے نوحہ رقم کیا تھا۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان سے درخواست کی جا سکتی تھی کہ اس نظم کے عنوان میں ''اور'' کا اضافہ کر دیں۔

☆☆☆

حق مغفرت کرے عجب 'آزاد' مرد تھا

ڈاکٹر اے آر خالد

اسلام آباد کے ہوائی اڈہ پر اتر کر جونہی موبائل آن کیا تو میرے چھوٹے بیٹے مصطفیٰ خالد کا میسج آ گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد انتقال کر گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ڈاکٹر اسرار احمد کسی فرد واحد کا نام نہیں تھا، انہیں ادارہ کہنا بھی ان کے علمی مرتبے کی توہین ہے۔ انہیں کسی جماعت، تنظیم یا تحریک کا لیڈر کہنے سے بھی طمانیت نہیں ہو رہی۔ ان کی قرآن فہمی کا ایک زمانہ قائل ہے۔ اس قافلہ کے آج کے دور میں اگر انہیں سالار کہا جائے تو شاید کوئی دوسرا مدمقابل آنے کا دعویٰ یا ہمت نہ کرے۔ نہ ڈاکٹر اسرار احمد کا کوئی فرقہ تھا، نہ ان کی کوئی سیاست تھی، نہ وہ پارسائی و پاکبازی کا چوغہ پہننے کے شوقین تھے۔ نہ ہی کسی مسئلہ میں عددی اکثریت سے مرعوب ہونے والے۔ ان کا فرقہ اسلام تھا۔ ان کا مسلک قرآن تھا۔ ان کا مذہب دین اسلام تھا اور ان کا ایمان واقعتاً مسلمان تھا۔ ان کی سیاست پاکستان تھی۔ ان کی حمیت و غیرت ان کی طبعی عمر بڑھنے کسی جسمانی عارضہ لگنے سے کمزور نہیں ہوئی۔ یہ ہمیشہ جوان رہی۔ سچ بات کہنا ان کی شان تھی، سچ بات سننا ان کی پہچان تھی۔ نہ غرور تقویٰ میں مبتلا، نہ علم و عرفان کا دعویٰ، نہ اللہ کی رحمت سے مایوس، نہ پاکستانیوں کی بلا استثناء جدوجہد سے مطمئن، نہ کسی کو ہرانے کا شوق، نہ اپنی جیت کے لیے جدوجہد، نہ جو بوکر گندم کاٹنے کی خوش فہمی میں مبتلا۔ نہ سارے بگاڑ از خود درست ہو جانے کے معجزوں کے منتظر، نہ گوشہ نشینی اختیار کرنے کے لیے تیار، نہ جدوجہد ترک کرنے پر آمادہ، نہ سیاسی جماعتوں اور مذہبی اجارہ داروں سے مرعوب، نہ طاقت سے خوفزدہ، نہ حکومت سے پریشان، سچ بولنے کے لیے نہ کسی موقع محل کے متلاشی، نہ سچ سننے کے لیے کوئی تنہا گوشہ تلاش کرنے کے عادی۔ جس توانا آواز میں بات کی اسی توانا آواز میں اپنے خلاف بات سنی۔ نہ اپنوں کے تعاون پر بھروسہ، نہ غیروں کی مدد کے محتاج۔ پچھلی صدی ڈیڑھ صدی میں اگر کسی فرد سے متاثر نظر آئے تو وہ نظریہ پاکستان کے خالق ہی ہو سکتے ہیں۔ اقبال کو جس کثرت سے حوالے کے طور پر استعمال کرتے اگر یہ کہا جائے کہ قرآن و احادیث کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے علامہ کے کلام اور کام کا جس باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے شاید ہی اقبال شناسی کا کوئی بڑے سے بڑا دعویدار ڈاکٹر اسرار کے آنے پر مودب کھڑا ہو جانے کو اپنے لئے اعزاز نہ سمجھے۔ میرے یہ سارے خیالات ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور سے کسی تعلق داری کے سبب نہیں۔ میری ڈاکٹر اسرار احمد سے کبھی زیادہ قربت نہیں رہی، نہ ہی کبھی اُن کی کسی تنظیم یا تحریک کا رکن رہا، نہ انہوں نے کبھی اس کی دعوت دی، نہ میں نے کبھی اس کی خواہش کی۔ میرا ان سے تعلق ان کی قرآن فہمی اور پختگی کردار کے سبب رہا، جس کے بارے میں ایک بار وہ خود فرمانے لگے کہ کسی جلسہ میں ان کا تعارف جب اس طرح کرایا گیا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کو قرآن پر عبور حاصل ہے تو انہوں نے فوراً اصلاح کی کہ قرآن پر عبور کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس میں غوطہ زن ہونے والا ہر شخص اپنی اپنی استعداد اور توفیق کے مطابق موتی چن سکتا ہے۔ میں قرآن کا طالب علم ہوں، اس کا حافظ بھی نہیں، طالب علم ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ وہ کسی صوفی ازم سے مرعوب نظر نہیں آتے مگر وہ اولیاء اللہ کا ادب و احترام ان کے زہد و تقویٰ اور دینی بصیرت و خدمت کے حوالے سے کرتے اور اقبال کا ''حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر'' پڑھتے ہوئے جس طرح جھوم جاتے اس سے احساس ہوتا کہ ڈاکٹر اسرار احمد عام مسلمانوں اور صوفیاء کے مابین اس فرق کے حوالے سے صوفیاء کی قطار میں کھڑے نظر آتے ہیں کہ عام مسلمان خدا کو مانتا ہے اور صوفیاء خدا کی مانتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے خدا کی ماننے میں کسی کے راضی رہنے یا ناراض ہونے کی کبھی پروا نہ کی بلکہ وہ اس شعر کی صحیح تصویر تھے ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

یہ رویہ اختیار کرنے والے کے قریب تنگ نظری اور تعصب نہیں آتا۔ اللہ کی رضا و منشاء پر جینے والے ہر مصلحت و مصالحت کو ترک کرنے کا ہنر سیکھ جاتے ہیں۔ وہ انا پرستی اور خود پرستی کے بتوں کو توڑ دیتے ہیں۔ ان کی حق گوئی بے باکی میں توانائی آ جاتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد میں یہ توانائی ان کے کردار و عمل نے کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ اگرچہ وہ جماعت اسلامی سے تقریباً چھ عشرے پہلے علیحدہ ہو گئے تھے مگر مولانا مودودی کے علمی مقام و مرتبہ اور ان سے ذاتی تعلق کی انہوں نے پوری طرح پاسداری کی۔ شگاگو سے بفلو تک کا سفر صرف مولانا مودودی کے جنازے میں شرکت کے لیے تھا۔ حالانکہ نہ ان کے مرتب شدہ پروگرام میں اس کی گنجائش تھی نہ غالباً صحت اس کی اجازت دیتی تھی۔ اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی سے تعلق کو علمی اور دینی حوالے سے نبھایا۔ قتیل شفائی کے اس شعر کو بھی ڈاکٹر اسرار احمد پر منطبق کیا جا سکتا ہے ؎

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ ﷺ کے بعد

وہ پاکستان کے حالات کا نوحہ پڑھنے کی بجائے جب بھی اس موضوع پر بولے اس کا حل ضرور بتایا۔ عصر حاضر کے سارے قابل ذکر علوم سے شُد بُد اور پاکستان پر ان کے اثرات اور منفی پہلوؤں کے تدارک پر ان کی رائے کو مسترد کرنا شاید اس لئے مشکل ہو کہ وہ اپنی اصلاح کے لیے ہمہ وقت آمادہ و تیار ہوتے۔ اپنی کسی بات پر اڑے رہنے کا ہنر شاید انہیں آتا ہی نہیں تھا۔ جہاں کوئی منطق استدلال یا دلیل پہلے سامنے آئی اسے اپنے علم کے حوالے سے پرکھنے اور کسی تاریخی حقیقت کو تسلیم کرنے کے وہ اس حد تک عادی تھے کہ فوری اصلاح کا اعلان کر دیتے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی عظمت کا مجھے پہلے بھی بنفس نفیس تجربہ ہو چکا تھا۔ کوئی بیس سال پہلے انہوں نے قرآن آڈیٹوریم لاہور میں اتحاد بین المسلمین کے عنوان سے ایک سیمینار کا اہتمام کیا۔ سابق چیف جسٹس آف پاکستان شیخ انوار الحق، سابق وزیر اعلیٰ پنجاب محمد حنیف رامے، معروف دینی سکالر صاحبزادہ خورشید گیلانی کے ساتھ مجھے بھی اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ میں نے جب اپنی گفتگو اس بات پر ختم کی کہ اتحاد بین المسلمین سے ہٹ کر میری خواہش اور دعا ہے کہ اتحاد بین العلماء ماڈل ٹاؤن ہو جائے تو مسکرا کر پہلے مصافحہ پھر معانقہ کیا..... حق مغفرت کرے عجب ''آزاد'' مرد تھا۔

(بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'')

ڈاکٹر اسرار احمدؒ قدیم وجدید کا حسین امتزاج

ضمیر اختر خان

موت تو ہر ایک کا مقدر ہے۔﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ اور ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝﴾ البتہ بعض لوگوں کی موت قابل رشک ہوتی ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کی جن کی زندگی کا بیشتر و بہتر حصہ اللہ کے دین کی خدمت میں گزرا ہو، جو آخر وقت تک اپنی توانائیاں اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کھپاتے رہے ہوں۔ ڈاکٹر اسرار احمد ؒ ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں سے تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی دعوت رجوع الی القران، غلبہ واقامت دین کی جدوجہد اور قیام نظام خلافت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اس سلسلے میں آپ نے صرف نظری کام ہی نہیں کیا بلکہ عملی اقدامات بھی کئے۔ چنانچہ رجوع الی القرآن کے مبارک کام کو مؤثر طریقے سے انجام دینے کے لئے 36-K ماڈل ٹاؤن، لاہور میں ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی قائم کی جس کی شاخیں اب پاکستان کے ہر بڑے شہر میں موجود ہیں۔ چنانچہ اپنی اپنی جگہ ہر اکیڈمی ایک آزاد اور خودمختار ادارہ ہے جس کا اپنا نظام العمل اور اپنی انتظامیہ ہے۔ البتہ ہر اکیڈمی کی سرپرستی ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور خود فرماتے تھے۔ ان اکیڈمیوں میں تعلیم وتعلم قرآن، فہم دین پر مبنی کورسز اور عربی کورسز کا سلسلہ پورے سال جاری رہتا ہے۔ الحمدللہ، اب تک سینکڑوں طلبہ وطالبات ان کورسز کی تکمیل کے بعد اپنی زندگیوں کو خدمت دین کے لیے وقف کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تو وہ تاحیات صدر تھے لیکن علاقائی انجمنوں کے اپنے اپنے صدور ہیں۔ ان تمام انجمنوں کے مقاصد ایک ہی ہیں جو ڈاکٹر صاحب نے خود وضع کئے تھے اور ان کی تقریباً ہر تصنیف کے پشت والے صفحے (Back Page) پر نمایاں طور پر طبع ہوتے ہیں۔ وہ جامع مقاصد حسب ذیل ہیں:

''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قیام کا مقصد منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین، قرآن حکیم کے علم وحکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر واشاعت ہے تاکہ امت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے اور اس طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کے دور ثانی کی راہ ہموار ہو سکے۔ وما النصر الا من عند اللہ''

غلبہ واقامت دین کے لئے صرف علمی مواد ہی نہیں مہیا کیا بلکہ بیعت کی مسنون اساس پر ایک انقلابی جماعت بھی قائم کر دی جو دور حاضر میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے درکار رجال کار فراہم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ اگرچہ اس انقلابی جماعت میں شامل ہونے والے افراد کی تعداد کم ہے۔ لیکن جو اس میں شامل ہو چکے ہیں ان میں اکثریت انتہائی مخلص اور واقعی انقلابی اوصاف کے حامل اشخاص پر مشتمل ہے۔ اللہ انہیں استقامت عطا فرمائے۔

مزید برآں اسلام کے سیاسی نظام کی تعبیر اور عملی طور پر اسے بروئے کار لانے کے لئے آپؒ نے تحریک خلافت کے عنوان سے ملک گیر تحریک کا آغاز کیا اور ملک کے طول وعرض میں نظام خلافت کیا؟ کیوں اور کیسے؟ کے حوالے سے بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں منعقد کیں جس کے نتیجے میں پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اس حقیقت سے آگاہ ہوئی کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کا بہترین نمونہ نظام خلافت راشدہ ہے جسے دور حاضر کے تقاضوں سے اہم آہنگ کر کے قائم کرنے کی صورت میں اسلام کی برکات سے مسلمان خود بھی مستفید ہو سکتے ہیں، اور تمام انسانوں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔

ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی جامع شخصیت سے نوازا تھا اور ذہانت وفطانت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ لہٰذا ایک طرف آپ دینی اور قدیم علوم سے کماحقہ واقف تھے تو دوسری طرف جدید تعلیم کے اسرار ورموز سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ بنیادی طور پر سائنس اور پھر طبعی علوم پر دسترس کی وجہ سے جدید محاورے اور رجحانات کا گہرا ادراک رکھتے تھے۔ رجوع الی اللہ کے ضمن میں قرآن کے متن سے براہ راست استفادہ کرنے کے لئے عربی لغت خاص طور پر عربی گرائمر کو خود بھی گہرائی میں اتر کر خوب خوب سمجھا اور اپنی تمام اکیڈمیوں میں بھی عربی کی تعلیم وتدریس کو بنیادی اہمیت دی۔ چنانچہ آپ کے شاگردوں نے عربی صرف ونحو میں جس طرح مہارت حاصل کی وہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل فضلاء سے کسی درجے میں بھی کم نہیں۔

قدیم ونقلی علوم کو حاصل کرنے کے لئے آپ نے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو منتخب کیا جو عقلی علوم کے شناسا تھے۔ جس طرح قدیم وجدید کے وہ خود ایک خوبصورت امتزاج تھے اسی طرح اپنے شاگرد بھی تیار کیے۔ چنانچہ انجینئرز، ڈاکٹرز، MBAs، MScs اور دیگر کئی طرح کے اختصاص (Specialties) کے حامل نوجوان آج پاکستان کے کونے کونے میں سکہ بند علماء کی طرح درس قرآن کی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب خود ہمیشہ علماء کرام سے ربط وتعلق رکھتے تھے، بڑے بڑے بزرگ علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ کی زیادہ راہ ورسم مکتبۂ دیوبند کے علماء کرام سے تھی۔ اگرچہ انہوں نے کبھی بھی آپ کو اپنا نہیں سمجھا اور شاید اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک آپ کا ان کے مسلک کے کسی مدرسہ سے فارغ التحصیل نہ ہونا تھا اور دوسرے آپؒ کا جماعت اسلامی کا پس منظر تھا۔ آپؒ دوسرے مکاتب فکر کے علماء سے جن میں بریلوی اور اہل حدیث بھی شامل ہیں، بھی نیازمندی رکھتے تھے۔ بعض بریلوی حضرات تو آپ کو دیوبندی وہابی ہی سمجھتے تھے البتہ اہل حدیث علماء نے زیادہ وسعت نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کبھی آپ کے ساتھ مسلکی تعصب نہیں برتا۔ آپ اپنی سالانہ قرآن کانفرنسوں میں تمام مکاتب فکر (دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، جماعت اسلامی) کے اصحاب علم ودانش کو مدعو کرتے تھے۔ اسّی کی دھائی میں کسی موقع پر پاکستان وہندوستان سے ایک صد کے لگ بھگ علماء کو مدعو کیا تھا۔ اور اپنی فکر کا ایک جامع خاکہ ان کے سامنے اس درخواست کے ساتھ پیش کیا تھا کہ وہ علمی طور پر اس کا جائزہ لے کر اپنی آراء سے انہیں نوازیں۔ یہ اور بات ہے کہ سوائے چند علمائے کرام کے جن میں مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، مفتی سیاح الدین کاکاخیل رحمہ اللہ اور مولانا الطاف الرحمان بنوی مدظلہ نمایاں تھے، کسی نے بھی علمی جائزہ تو دور کی بات ہے سنجیدگی کا بھی مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

الغرض ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور اپنے حصے کا کام کر کے دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول ومنظور فرمائے، ان کی کوتاہیوں و

(باقی صفحہ 16 پر)

ترجمہ: محمد فہیم

نائن الیون کے منصوبہ سازوں کا مطمحِ نظر

عابد اللہ جان کی معرکہ آرا کتاب
"Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade"
کا قسط وار اُردو ترجمہ

افغان تو سرے سے نامزد ہائی جیکروں کی لسٹ میں شامل ہی نہ تھے، تاہم قیمت ان کے ملک سے وصول کی جارہی ہے۔ نائن الیون کے بعد پاکستان اور افغانستان کے ساتھ دو مختلف قسم کے رویئے اپنائے گئے۔ بایں ہمہ کہ طالبان کے ملوث ہونے کی کوئی شہادت میسر نہیں، جبکہ یہ امکان موجود ہے کہ اندرون خانہ امریکہ میں ہونے والی کاروائی کی بعض تفصیلات کا پاکستانی آئی ایس آئی کو کچھ نہ کچھ علم ہو۔ ایک پاکستانی شیخ عمر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس نے آئی ایس آئی کے لیفٹننٹ جنرل محمود احمد کی ایما پر نائن الیون سے کچھ ہی پہلے ایک لاکھ امریکی ڈالر نامزد ہائی جیکروں کے ونگ لیڈر کو منتقل کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔

وال سٹریٹ جرنل کے مطابق پاکستانی اخبار 'ڈان' نے 9 اکتوبر 2001ء کو یہ رپورٹ دی کہ اسلام آباد نے آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹننٹ جنرل محمود احمد کو ایف بی آئی کی اس تفتیش کے بعد کہ اس کے اور عمر شیخ کے درمیان باقاعدہ رابطے قائم ہیں، ہٹا دیا۔ یاد رہے، شیخ عمران تین عسکریت پسندوں میں سے ایک تھے جنہیں 1999ء میں انڈین ائیر لائنز کے ایک اغوا شدہ طیارے کے مسافروں کے بدلے رہا کیا گیا تھا۔ اگر ان لوگوں کا تعلق افغانستان سے ہوتا یا وہ طالبان ہوتے تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ نیوکونز کا ساتھی میڈیا اس کہانی کو کس حد تک اُچھال دیتا۔

لیفٹننٹ جنرل محمود احمد اور شیخ عمر کے درمیان رابطے اور پھر مؤخر الذکر کے محمد عطا سے رابطوں کو امریکی حکومت نے حقیقی سمجھنے کے باوجود ان لوگوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی شروع کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ اس کے باوجود کہ صدر بُش چیخ چیخ کر کہتا رہا کہ ''اگر تم کسی دہشت گردی کی مالی امداد کرتے ہو تو تم خود بھی دہشت گرد ہو'' یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جھوٹی کہانی اس لئے تراشی گئی ہو کہ جنرل پرویز مشرف کو یہ موقع مہیا کیا جائے کہ وہ بنیاد پرست مسلمان افسروں سے مسلح افواج کو پاک کرے (اور یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ مترجم)

جب لیفٹننٹ جنرل محمود احمد پر نائن الیون سانحہ میں ملوث ہونے کا الزام لگا تو اسے مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ تاہم پاکستان پر کوئی حملہ یا جوابی بمباری نہیں کی گئی کہ اسے نائن الیون کے ہائی جیکروں کے ساتھ اعانت کرنے والوں کو امریکہ کے حوالے کرنے پر مجبور کیا جاتا، ایسا بھی کوئی الزام نہیں لگایا گیا کہ پاکستان ایک دہشت گرد ملک ہے، یا وہ ایک ایسا ملک ہے جو دہشت گردوں کی اعانت اور مالی مدد کر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جو کچھ ظاہراً نظر آتا ہے، اس کہانی میں اس سے زیادہ کچھ ہو کیونکہ نائن الیون کو کیپٹل میں ہاؤس اور سینیٹ انٹیلی جنس کمیٹیوں کے سینیٹر بوب گراہم (D) اور نمائندہ پورٹر گوس (R) (جو سی آئی اے کے خفیہ آپریشن ونگ کا دس سالہ تجربہ کار کھلاڑی ہے) کے ساتھ لیفٹننٹ جنرل محمود احمد کی ناشتا پر میٹنگ ہو رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ میٹنگ اس وقت تک جاری رہی جب دوسرا جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا گیا۔

اگست 2001 کو سینیٹر گراہم کے سٹاف کو دی گئی ایک رپورٹ میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ محمود احمد کے ماتحتوں میں سے ایک اہلکار نے ایک امریکی خفیہ ایجنٹ کو بتایا تھا کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو تباہ کر دیا جائے گا۔ رینڈی گلاس (Randy Glass) نے جو ایک ادنیٰ قسم کا سابق اداکار اور بعد میں سرکاری مخبر بنا، بعد میں دعویٰ کیا کہ اس نے سینیٹر باب گراہم اور رابرٹ ویکسلر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے منصوبہ کے متعلق آگاہ کیا تھا، لیکن اس کی تنبیہات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اس میٹنگ میں سینیٹر جان کائیل اور امریکہ میں پاکستانی سفیر ملیحہ لودھی بھی موجود تھیں (اس میٹنگ کے شرکاء تقریباً وہی تھے جو چند ہفتے پہلے پاکستان میں بھی مل چکے تھے)۔ میٹنگ کے متعلق سینیٹر گراہم کا کہنا ہے ''ہم نے دہشت گردی کے متعلق بات کی، خصوصاً وہ دہشت گردی جو افغانستان سے شروع ہو چکی ہے'' نیویارک ٹائمز نے لکھا کہ تمام بحث بن لادن کے گرد ہو رہی تھی۔ (بحوالہ نیویارک ٹائمز 4 جون 2002ء) یہ حقیقت کہ یہ لوگ حملوں کے وقت ہی مل کر میٹنگ کر رہے ہیں، یہ کم از کم ایک عجیب سوئے اتفاق ہے۔ کیا بحث وتمحیص کا جو عنوان تھا وہ بھی محض اتفاق تھا؟۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف آئی ایس آئی نائن الیون کے نامزد ماسٹر مائنڈ کو فنڈز بھجوا رہی تھی اور دوسری طرف اس کے سر براہ امریکہ کے اعلیٰ اہلکاروں سے میٹنگ کر رہے تھے، ایسے اہلکار جن کو خفیہ آپریشنوں میں وسیع تجربہ حاصل ہے۔

افغانستان کے معاملہ میں امریکہ طالبان کی طرف سے کوئی بھی تجویز سننے کو تیار نہ تھا، کیونکہ اس نے افغانستان پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ طالبان کی طرف سے تقریباً روزمرہ کی بنیاد پر صبر اور تحمل کے لیے امریکہ کو کی گئی اپیلوں کو مسترد کیا جاتا رہا۔ ملا عمر کے الفاظ میں ''امریکہ بار بار دھمکیاں دے رہا ہے اور مختلف قسم کے الزامات لگا رہا ہے اور اب یہ فوجی حملہ کی دھمکیاں دینے پر اتر آیا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے باوجود کیا جا رہا ہے جب کہ ہم نے اسامہ والے معاملہ کے متعلق متبادل تجاویز دی ہیں۔ ہم نے کہا ہے کہ اگر تمہارے پاس اسامہ کے خلاف ثبوت ہیں تو انھیں یا تو افغانستان سپریم کورٹ کو دیجئے یا تین اسلامی ملکوں کے علماء کے حوالہ کیجئے، یا او آئی سی کے مبصروں کو اسامہ پر نظر رکھنے کے لیے کہیے۔ لیکن امریکہ نے ان تجاویز کو ایک ایک کر کے مسترد کر دیا۔ اگر امریکہ ان تجاویز پر غور کرتا تو اس طرح کی بڑی غلطی کا موقع نہ آتا۔ ہم امریکی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ پورے صبر سے کام لے اور ہم چاہتے ہیں کہ امریکہ پوری معلومات اکٹھی کر کے اصل مجرموں تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ ہم تمام دُنیا کو کو یقین دلاتے ہیں کہ نہ تو اسامہ اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص کسی ملک کے

خلاف افغانستان کی سرزمین کبھی استعمال کر سکتے ہیں۔''

طالبان قیادت کی یہ اپیلیں سنی ان سنی کردی گئیں، کیونکہ امریکہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا جو اس نے طالبان کے خلاف کئی سالوں کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں نائن الیون حملوں کی شکل میں پیدا کیا تھا۔ اصل مجرموں نے جنہیں امریکی تجزیہ کار ''اندرون خانہ'' کارروائی کا مجرم قرار دیتے ہیں، 3000 بے گناہ انسانوں کی جان لے لی۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے تین عمارتیں تباہ کردیں اور پینٹا گان کو نشانہ بنایا، تاکہ وہ جنگ کو افغانستان پر مسلط کر کے آخری حد پر پہنچ جائیں۔ دور جدید کے ان کروسیڈرز کو دیکھئے کہ انھوں نے کتنی بے رحمی کے ساتھ ملا عمر کے یہ سادہ اور بے تصنع الفاظ مسترد کردیئے۔ ملا عمر کی پشت پر نہ کوئی فوجی طاقت تھی اور نہ انہیں دنیا کی، جس کی ماہیت قلبی ہوچکی تھی حمایت حاصل تھی۔ لہٰذا جارحیت کے مرتکبین کو اس ظلم سے روکا نہ جاسکا۔

''اندرونِ خانہ'' معاملہ کے لیے جواز

درج بالا حقائق اور تجزیوں کی روشنی میں دو قسم کی آراء سامنے آتی ہیں۔ کچھ تجزیہ کاروں کا خیال ہے نائن الیون حملوں کے روکنے میں ناکامی سے امریکہ کو جنگ کے لیے جواز پیدا کرنے کا ایک بیش بہا بہانہ ہاتھ آگیا، جبکہ بعض دوسرے تجزیہ کاروں نے اسے ایک ''اندرون خانہ'' معاملہ قرار دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ مقصد یہ تھا کہ افغانستان پر ایک ایسی جنگ مسلط کی جائے جس کی پہلے ہی سے مکمل منصوبہ بندی کی جاچکی تھی۔ محققین نے اس سلسلے میں ماضی کی کئی مثالیں دی ہیں جن میں جھوٹی مہم جوئیوں کے لیے سازشیں کی گئیں۔

شہادتوں کی یہ پوری فہرست صیہونی عیسائیوں اور ایوانجلیکلز کے مرتب کردہ اس خاکے پر کلی طور منطبق ہوتی ہے جو گزشتہ ابواب میں زیر بحث آچکا ہے۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ''نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ'' ایک جعلی پردہ ہے جس کی آڑ میں سیاسی اور عسکری

> جنرل پرویز مشرف کو بُش کی وہ فون کال جس میں اس سے پوچھا گیا تھا کہ
> ''تم ہمارے ساتھ ہو یا خلاف؟'' بھی جھوٹ کے اس پلندے کا لازمی حصہ ہے
> جس طرح کہ اور چیزیں، جو بُش انتظامیہ سے لوگ سنتے آرہے ہیں

قیادتوں کو مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ وسیع تر مذہبی، حربی اور جیو پولیٹیکل مقاصد کے حصول کی راہ ہموار کی جاسکے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں عوامی سطح پر جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ نائن الیون سانحے کا اہم مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ طالبان حکومت کو ہٹانے کے لیے جواز پیدا کیا جائے، جس کی وجوہات پر باب 1 تا 4 میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ جنرل پرویز مشرف کو بُش کی وہ فون کال جس میں اس سے پوچھا گیا تھا کہ ''تم ہمارے ساتھ ہو یا خلاف؟'' بھی جھوٹ کے اس پلندے کا لازمی حصہ ہے جس طرح کہ اور چیزیں، جو بُش انتظامیہ سے لوگ سنتے آرہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نائن الیون وقوعہ سے پہلے کی بعض رپورٹوں سے امریکہ کا افغانستان پر حملہ اور طالبان کی حکومت کو گرانے کا پتہ چلتا ہے۔ ان حالات میں اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پرویز مشرف اس اہم حملہ کے لیے مشاورت اور منصوبہ سازی کا حصہ نہ رہا ہو۔ آخر طالبان کو یو ایس کی کارپٹ بمبنگ (Carpet Bombing) کی دھمکی نائن الیون سے چند مہینے قبل پاکستانی وفد ہی کے ذریعے دی گئی تھی۔

اس بات سے قطع نظر کہ امریکہ نے نائن الیون حملوں کی منصوبہ بندی کی یا نہیں، اگر نائن الیون کی صبح کو ہونے والے واقعات پر گہری نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ اعلیٰ سطح پر امریکی حکام نے بالکل قصداً عمداً اِن حملوں کو ہونے دیا۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ کوئی بھی ایسے گھناونے جرم کے ارتکاب کی اجازت نہیں دے سکتا تھا جب تک کہ اس کا اس عمل کے پیچھے ایک اہم تر مقصد کارفرما نہ ہو۔ امریکی حکام جنہوں نے نائن الیون آپریشن میں حصہ لیا وہ اس پر پوری طرح مطمئن تھے کہ ان خوفناک جرائم کے پیچھے جو فوائد پوشیدہ ہیں وہ اِن کے نقصانات یعنی ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹاگون کی تباہی اور 3 ہزار انسانی جانوں کی ضیاع کے مقابلے میں زیادہ منفعت بخش ہیں۔ لہٰذا وہ ان نقصانات کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔

نائن الیون کی منصوبہ سازوں کے مطمع نظر سے جو اہم ترین مفاد ہوسکتا تھا وہ نظریاتی جنگ میں اسلام کے ساتھ مسابقت میں نمایاں پیش رفت حاصل کرنا تھا۔ جو مفاد ان کو نظر آتا تھا، وہ یہ تھا کہ مسلمان دنیا بھر میں حق خود اختیاری اور خودمختاری کے لیے جو جدوجہد کر رہے ہیں، اس کو لگام دی جاسکے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر واضح کیا جائے کہ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی خواہش کے لیے ان کی کوئی بھی کوشش برداشت نہیں کی جائے گی۔ مسلمانوں کو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ قومی ریاستوں میں صرف سیکولر ڈیموکریسی کو اپناتے ہوئے ہی ایک نظام اپنا سکتے ہیں کہ مذہبی جذبہ کے تحت مختار مطلق بن جانے والے امریکی کروسیڈز جس کی اجازت دینے کے روادار ہوں۔ (اس معاملہ کے صغریٰ کبریٰ پر باب اول تا چہارم میں تفصیلی بحث ہوچکی ہے۔)

بُش اور اس کے ساتھیوں کے مبہم بیانات جو وہ ''اسلامی دہشت گردی'' کی وجوہات کے متعلق دیتے آئے ہیں، اصل محرک کی پوری شہادت دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک کروسیڈی مذہبی جذبہ کا کیا دھرا ہے۔ مثلاً بُش نے کہا ''ہمارے دشمن ہمیں مارتے ہیں کیونکہ وہ ہماری آزادی اور طرز زندگی سے نفرت کرتے ہیں''۔ بُش کا مزید کہنا تھا کہ انٹیلی جنس ماہرین بہت پہلے اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ مسلم دنیا کی ان قوتوں کا، جو اپنے ملکوں میں امریکہ کی حمایت کرنے والی کٹھ پتلی حکومتوں کے خلاف مصروف عمل ہیں، اصل ہدف یہ ہے کہ وہ اپنے ممالک سے مغربی فوجوں اور اثرات کو نکال کر اپنی خودمختاری اور طرز معاشرت کو بحال کردیں۔ ایران اس سلسلہ میں ایک نمایاں مثال ہے جہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے حمایت یافتہ شہنشاہ کو اٹھا کر پھینکا گیا جس سے حالات اتنے خراب ہوگئے کہ وہ امریکہ جو کل تک ایرانیوں کا ایک قریبی دوست شمار ہوتا تھا، اب ایرانیوں کی اکثریت کے نزدیک ''شیطان بزرگ'' کہلانے لگا ہے۔

ایسا بالکل نہیں کہ یہ بُش اور بلیئر کی طرز زندگی کے خلاف نفرت ہے جو کٹھ پتلی حکومتوں کے خلاف مسلم قوتوں کو ابھارتی ہے، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی تمام مقتدر قوتیں یہ چاہتی ہیں کہ وہ مسلم طرز زندگی کے لیے خطرہ بنی رہیں۔ مغربی مفادات کے خلاف مسلم ممالک میں تشدد آمیز ہڑتالوں پر (جن میں سیاحوں پر حملے جیسی چیزیں شامل ہوچکی ہیں) اکثر و بیشتر اسلامی تحاریک مدافعانہ رویۂ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں

جن کے خلاف ظالمانہ حربے استعمال کر کے امریکہ کی حمایت یافتہ کٹھ پتلی حکومتیں ان کو دیوار کے ساتھ لگاتی ہیں تو پھر ان کو سرنگ کے پار سے کوئی روشنی نظر نہیں آتی، تو ایسے میں یہ تحریکیں مغربی مفادات پر حملوں کو راہ راست سے انحراف کی بجائے اپنی تحریک کا ایک جائز حصہ سمجھنے لگتی ہیں۔ فروری 1998ء میں اسامہ بن لادن اور اسلامی گروہوں کے چار دیگر ارکان کا فتویٰ اسی کی ایک مثال ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایسے لوگ اکثریت میں ہیں یا اقلیت میں۔ جب تک مسلم دُنیا پر بالواسطہ یا بلاواسطہ قبضہ جاری ہے اور یہاں مغربی حمایت یافتہ کٹھ پتلی حکومتیں برقرار ہیں ایسے میں ان تحریکوں سے ان نظریات کے برعکس کوئی بات منوانا نہایت مشکل ہے۔

اس لئے اگر بُش بطور حکمت عملی جارحانہ فوجی اقدامات کی تجویز دیتا ہے کہ ''دہشت گردی کا پیچھا کیا جائے یہاں تک کہ ان کے لیے نہ پائے رفتن اور نہ جائے ماندن والی صورت حال بن جائے'' تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم دُنیا میں امریکی اثر ورسوخ کو راسخ کرنے کی کوشش درحقیقت ایک لامتناہی جنگی سلسلہ کو بڑھاوا دیتی رہے گی، تا آنکہ مذہبی جذبہ کے زیر اثر اختیار مطلق (Totalitarians) کے خواہشمند (جیسے بُش اینڈ کمپنی) مسلم دُنیا میں اپنی طرز معاشرت کو مسلط نہ کر پائیں۔

اس وقت تو دکھائی یہ دیتا ہے کہ امریکہ افغانستان پر تسلط قائم کر چکا ہے۔ ستاون مسلم ممالک دم سادھے ہوئے ہیں اور کسی میں بھی یہ جرأت نہیں کہ وہ امریکہ کو قبضہ ختم کرنے کے لیے کہے۔ سفارتی اور تجارتی تعلقات ختم کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِس وقت یہ نظر نہیں آتا کہ امریکہ مسلم دُنیا میں اپنی ظالمانہ مداخلت، قبضہ اور انسانی حقوق کی پامالی کے متعلق اپنی جارحانہ پالیسیوں میں قابل ذکر تبدیلیاں کرے۔

اس تمام تجزیہ کا جو نتیجہ نکلنا چاہیے، وہ یہ ہے کہ ''دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ'' کے پردے میں جو سیاسی افسانہ پھیلایا گیا ہے وہ درحقیقت ایک بالکل ہی دوسری قسم کا ایجنڈا ہے یعنی ایوانجیلکلز اور عیسائی صیہونیوں کا ایجنڈا جو دراصل مذہبی بالادستی کا ایجنڈا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ بالآخر اس کے ذریعے ''خدائی حکومت'' قائم کرنے کی راہ ہموار کیا جا سکے۔

(جاری ہے)

☆☆☆

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو منظوم خراج عقیدت

عقیدت مند: محمد ارشد عباسی

چل دیا جو داعی رجوع الی القرآن تھا
فہم قرآں، فکر قرآں جس کا جزءِ ایمان تھا
اُس نے دی تشکیل اِک تنظیم فکرِ خاص پر
جس کا مقصد سربلندی دینِ عالی شان تھا
چھوڑ کر طب و جراحت اور دنیاوی وقار
دین کی دعوت کے عزمِ خاص پر ایمان تھا
کردیا پھر زندگی کو وقف خاطر دین کے
فکر قرآں، دعوتِ دیں مقصدِ ذی شان تھا
وہ رہا کوشاں خلافت کے نفاذِ عمل میں
ملک کی تقدیر بدلے یہی ہیجان تھا
وہ شعوری طور پر بیدار تھا اقبالؒ سے
ترک قرآں ہو نہ ذلت ہو، یہی ارمان تھا
تھا فروغ علمِ دیں اور درسِ قرآں مشغلہ
اور کتب بینوں پہ اس کے فیض کا احسان تھا
تھی فصاحت اور بلاغت اس کے دم سے سرخرو
دینِ حق کی سربلندی دل میں اک ارمان تھا
'فکر' کی صورت میں زندہ آج بھی ارشد ہے وہ
سوچ جس کی دین و ایمان اور زباں قرآن تھا

بیادِ ڈاکٹر اسرار احمد (مرحوم)

جاوید اقبال خاکی، جامشورو

ایک عرصے سے جو تھا نغمہ سرا وہ بلبل
شب تاریک میں گلشن کو نہاں چھوڑ گیا
محوِ حیرت ہیں چمن کے سبھی غنچہ و گل
نالہ و شکوہ و فریاد و فغاں چھوڑ گیا
اس کی ہر بات میں اک درد تھا، سچائی تھی
اپنے سینے کے تلاطم کو عیاں چھوڑ گیا
منہج نبویؐ پہ ہی چل کے ملے گی منزل
اسکے بتلا کے سبھی سود و زیاں چھوڑ گیا
وہ مفکر بھی تھا، مصلح بھی اور داعی بھی
اپنے پیچھے وہی اندازِ بیاں چھوڑ گیا
چشم بے نور سے خاکی کے رواں ہیں آنسو
وہ جہاندیدہ خموشی سے جہاں چھوڑ گیا

❁❁❁

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ ''مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور'' میں

28 مئی بروز جمعہ نماز عصر تا 30 مئی 2010ء بروز اتوار نماز ظہر

مدرسین ریفریشر کورس

منعقد ہو رہا ہے۔ جن مدرسین نے ابھی تک مدرسین ریفریشر کورس میں حصہ نہیں لیا وہ اس میں اپنی شرکت کو یقینی بنائیں۔ موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت رابطہ: 042-6316638-6366638 0333-4311226

امریکی جارحیت کے خلاف تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کا مظاہرہ اور واک

پاکستان پر امریکی جارحیت بڑھتی جارہی ہے جو ملکی سلامتی اور خودمختاری کا گلا گھونٹنے کے مترادف ہے۔ اس ضمن میں امیر حلقہ لاہور نے ''امریکہ سے ناتا توڑو، رب سے رشتہ جوڑو'' کے عنوان سے ماہانہ مظاہروں کا سلسلہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اِسی سلسلہ میں 20 مارچ کو فیصل چوک لاہور میں ایک مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرہ کے لیے حلقہ لاہور کے رفقاء بوقت عصر مسجد شہداء مال روڈ پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے نماز عصر ادا کی۔ بعدازاں ناظم مظاہرہ غازی محمد وقاص نے رفقاء کو ہدایات دیں۔ ہدایات کے مطابق رفقاء دو قطاروں میں مسجد کے باہر کھڑے ہوگئے۔ وہ اپنے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور بینرز اُٹھائے ہوئے تھے، جن پر مختلف عبارتیں درج تھیں۔ صف بندی کے بعد رفقاء واحباب امیر حلقہ کی قیادت میں واک کرتے ہوئے فیصل چوک (اسمبلی ہال) پہنچے اور وہاں چوک کے اطراف میں کھڑے ہوگئے۔ چوک میں بینرز اور پلے کارڈز کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی کے جھنڈے عجب بہار دکھا رہے تھے۔ واک کے دوران ایک گاڑی بھی رفقاء تنظیم کے ساتھ رواں دواں تھی، جس میں حلقہ کے ناظم نشر واشاعت شیخ نوید احمد بینرز اور پلے کارڈز پر درج شدہ عبارتیں اور اقبال کے اشعار پڑھ رہے تھے۔ مظاہرہ کی کارروائی کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ قاری غلام مرتضیٰ نے تلاوت وترجمہ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد تجمل حسن میر اور رفیق تنظیم نورالوریٰ نے خطاب کیا۔ مظاہرہ کا اختتامی خطاب امیر حلقہ محمد جہانگیر نے ارشاد فرمایا۔ اُنہوں نے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں دہشت گردی کے حالیہ واقعات میں بلیک واٹر، سی آئی اے، را اور موساد ملوث ہیں۔ ہمیں جان لینا چاہیے کہ امریکہ ہی ہمارا اصل دشمن ہے، جو اپنے مذموم ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر پاکستان کو عالم اسلام کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حق وباطل کی اس جنگ میں عالمی صلیبی قوت امریکہ کے ساتھ مزید تعاون اور اس کی خوشنودی کے لیے قبائلی عوام کے خلاف فوجی ایکشن قومی خودکشی ہے، یہ اللہ کے عذاب کو بھڑکانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں امریکی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی اختیار کرنی چاہیے ورنہ دنیا وآخرت کی بربادی سے ہم نہ بچ سکیں گے۔ مظاہرہ کا اختتام اجتماعی دعا پر ہوا۔ اس کے بعد رفقاء دوبارہ واک کرتے ہوئے مسجد شہداء پہنچے، جہاں اُنہوں نے مغرب کی نماز ادا کی اور بعدازاں منتشر ہوگئے۔ (رپورٹ: محمد یونس)

اعتذار

قارئین! ندائے خلافت کے شمارہ 17 (اشاعت خصوصی) میں ''الہدیٰ'' کے زیرعنوان چھپنے والی تفسیر قرآن کے آخری پیراگراف میں ''اللہ کے نزدیک بدترین چوپائے'' کی جگہ غلطی سے ''بہترین چوپائے'' شائع ہوگیا۔ جس سے مفہوم ہی بدل گیا۔ لہٰذا اس کی تصحیح کر کے ''بہترین'' کی بجائے ''بدترین'' پڑھا جائے۔ ہم اس سہو پر اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ اسی طرح شمارہ نمبر 18 میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بارے میں ہمارے دیرینہ ساتھی اور تنظیم اسلامی کے سینئر رفیق جناب نعیم اختر عدنان کے شائع ہونے والے مضمون کے عنوان میں بھی پروف ریڈنگ کی غلطی رہ گئی۔ مضمون کا اصل عنوان ''تخیل ملکوتی وجذبہ ہائے بلند کا مصداق ہم سے بچھڑ گیا ہے'' تھا، جبکہ ملکوتی کی بجائے ملوتی اور مصداق کی جگہ صداق شائع ہوگیا ہے۔ ہم اس سہو کے لیے مضمون نگار سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

بقیہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ قدیم وجدید کا حسین امتزاج

کمزوریوں کو معاف فرمائے، اور برزخ میں انہیں اتقیاء وصلحاء وابرار کی معیت نصیب فرمائے اور آخرت میں اپنی رضا اور جنت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ آمین۔ ہماری علمائے دیوبند سے بالخصوص اور ملک کے دیگر مسالک کے علماء سے بالعموم درخواست ہوگی کہ وہ حضور ﷺ کے فرمان ((اذکروا موتٰکم بالخیر)) او کما قال پر عمل کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے لیے مغفرت وبخشش کی دعا کریں۔ اور اگر ان کے کسی علمی تسامح پر اظہار خیال کرنا بھی ہو تو پوری دلسوزی واخلاص کے ساتھ اس کا حق ادا کریں تاکہ ڈاکٹر صاحب کی فکر سے وابستہ افراد کی رہنمائی کا فریضہ ادا ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے رفقاء کی تربیت جس انداز سے کی تھی اس کا نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ حق بات کو جو قرآن وسنت کے دلائل پر مبنی ہو قبول کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین اسلام کی سربلندی کے لیے تن، من، دھن لگانے کی توفیق سے نوازے۔ آمین یارب العٰلمین۔

بانیٔ تنظیم اسلامی کی حیات وخدمات پر مضامین بھیجنے والوں کے لیے

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی وفات پر اُن کی حیات اور دینی خدمات کے حوالے سے ادارے کو مسلسل مضامین موصول ہو رہے ہیں۔ قومی اخبارات وجرائد میں بھی اس حوالے سے کالم لکھے جا رہے ہیں۔ ندائے خلافت کی تنگ دامنی کے باعث ایک شمارے میں اِن تمام مضامین کو شائع نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ڈاکٹر صاحب مرحوم کے عقیدت مند لکھنے والے اور اپنی تحریریں ارسال کرنے والے احباب کو ہم یہ یقین دلاتے ہیں کہ اُن کی تحریروں کو آئندہ شماروں میں ضرور جگہ دی جائے گی۔ ہفتہ رفتہ میں ہمیں اس حوالے سے درج ذیل احباب کے مضامین موصول ہوئے۔

☆ ڈاکٹر اسرار احمد کی رحلت — میاں محبوب احمد، فیصل آباد
☆ ڈاکٹر اسرار احمدؒ میری نظر میں — صباحت موسیٰ، کراچی
☆ گل بدست گل نچھاور — ابوکلیم نبی محسن، لاہور
☆ اک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا — حسان ادریس، لاہور
☆ اک عہد جو تمام ہوا — عمران عبدالعزیز، کراچی
☆ ڈاکٹر اسرار احمد پاسبان عظمت قرآن — عزیز احمد اعوان (جنرل سیکرٹری تعمیر پاکستان پارٹی)
☆ ڈاکٹر اسرار احمدؒ ہمارے محسن — محمد اصغر صدیقی، فیصل آباد
☆ اسرار انقلاب کو سمجھئے — محمد سمیع، کراچی

دعائے مغفرت کی اپیل

امیر حلقہ پنجاب شرقی محمد ناصر بھٹی کے والد وفات پا گئے
حلقہ بہاولنگر، بہاولپور کے فورٹ عباس سے رفیق فرخ ضیاء کی والدہ وفات پا گئیں
تنظیم اسلامی پشاور کے ناظم بیت المال علی اصغر کے چچازاد بھائی بقضائے الٰہی وفات پا گئے
تنظیم اسلامی پشاور کے امیر جناب خورشید انجم کے سسر بقضائے الٰہی وفات پا گئے
حلقہ کراچی جنوبی کی مقامی تنظیم لانڈھی کے رفیق ایاز کفیل کے ماموں کا انتقال ہوگیا
حلقہ کراچی جنوبی کی مقامی تنظیم لانڈھی کے ناظم دعوت جناب ذوالفقار دین کی ہمشیرہ کا انتقال ہوگیا
حلقہ سندھ زیریں کے مبتدی رفیق صداقت علی کے والد انتقال کر گئے۔
اللہ تعالیٰ مرحومین ومرحومات کی مغفرت فرمائے۔ رفقاء وقارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بانیٔ تنظیم اسلامی کی وفات پر رواں ہفتے موصول ہونے والے تعزیتی خطوط اور ای میلز

مکرمی ومحترمی حافظ عاکف سعید صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اخبارات میں قبلہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی وفات کی خبر پڑھ کر قلبی رنج وغم ہوا۔ ڈاکٹر صاحب یوں تو دینِ اسلام کے خلاف اُٹھنے والے ہر فتنے کے خلاف سینہ سپر رہتے لیکن ردِّ قادیانیت کے مقابلہ میں وہ مردِ مجاہد تھے۔ جب بھی ضرورت محسوس ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی تو انہوں نے بلا چون و چرا عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی سرپرستی فرمائی۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کئی ایک کانفرنسوں میں شریک ہوئے اور قادیانیت کے عقائد وعزائم کے خلاف سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ گزشتہ سال عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام بادشاہی مسجد لاہور میں منعقد ہونے والی عظیم الشان ''ختم نبوت کانفرنس'' میں آنجناب کی وساطت سے رابطہ کر کے شرکت فرمائی، حالانکہ کانفرنس کی انتظامیہ نے انہیں دعوت ہی نہیں دی تھی لیکن انہوں نے ختم نبوت کی کانفرنس کو اپنی کانفرنس سمجھ کر شرکت فرمائی اور خطاب بھی کیا۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک ڈاکٹر صاحب کی سیئات سے درگزر فرمائیں اور حسنات کو قبول فرما کر جوار رحمت میں جگہ دیں!

والسلام

(مولانا) محمد اسماعیل شجاع آبادی

☆☆☆

بشرف گرامی محترم المقام حافظ عاکف سعید صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مفسر قرآن، مفکر اسلام ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی وفات پر جس طرح آپ رنجیدہ ہیں اسی طرح ہم بھی ان کی وفات پر بے حد رنجیدہ اور غم زدہ ہیں۔ مرحوم بے پناہ خوبیوں کے مالک اور اس دور میں عظمت انسانیت کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر، تشریح اور توضیح بیان فرماتے تو امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کی یاد تازہ ہو جاتی۔ ان کی خدمات کا احاطہ کرنا میرے جیسے طالب علم کے لیے نہایت مشکل ہے۔ ان کی دینی، سیاسی، سماجی اور فلاحی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب جیسی شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ وہ بلاشبہ اس دور کے مجدد تھے جنہوں نے اشاعت دین کا کام اس خوبی سے کیا کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی ان کی دینی خدمات کے معترف تھے۔ ساری زندگی قرآن مجید کی تعلیمات کو عام فہم انداز میں بیان کرتے ہوئے گزاری۔

میں ان خوش نصیب افراد میں سے ہوں جنہیں فیصل آباد میں جناب ڈاکٹر صاحب کی مجلس قرآن میں شریک ہونے کا موقع ملتا رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

دعا گو

محمد ارشد قاسمی

خطوط/ای میلز جو شائع نہیں کی جا سکیں

محمد عبداللہ گل (راول پنڈی)

عبدالعلیم خان (لاہور)

پرنسپل (GCET، لاہور)

ڈاکٹر مہر سعید اختر (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

عمران ظہور غازی (جماعت اسلامی پنجاب)

قاضی ہمایوں فرید (لاہور)

محمد راشد گنگوہی (کوئٹہ)

تور اکینہ قاضی

غلام محمد ملک (چکوال)

انتظامیہ، جامعہ عائشہ صدیقہ (ہری پور)

فضل اللہ مہیسر (پنوعاقل)

ڈاکٹر مرزا نعیم الدین (کراچی)

محمد شفیق (پشاور)

محمد موسیٰ (اسلام آباد)

محمد عثمانی (لاہور)

خواجہ مظہر نواز صدیقی (ملتان)

کرنل طارق بٹ (راولپنڈی)

ڈاکٹر عبدالرزاق قاضی (سکاٹ لینڈ، برطانیہ)

عبدالواحد عبداللہ (ضلع کنگھے، بلتستان)

محمد صدیق ڈار (گوجرانوالہ)

ریحان احمد (مڈل سیکس، برطانیہ)

جاوید اقبال خاکی (کوٹری، ضلع جام شورو)

میجر شاہد محمود (اٹک)

قاضی فضل اللہ (کیلی فورنیا، امریکا)

پروفیسر سمیع اللہ قریشی (جھنگ صدر)

سید محمد آزاد (ضلع میر پور، آزاد کشمیر)

پروفیسر مولا بخش محمدی (تھرپارکر، سندھ)

عبدالعزیز بٹ (لاہور)

محمد اصغر صدیقی (فیصل آباد)

میاں فیض الرسول بریار (منڈی بہاؤالدین)

وسیم صاحب (لاہور)

محمد فاروق، مسز محمد اشرف (فرانس)

راجہ محمد اکرم خان

ذیشان علی شاہ (سویڈن)

شیخ نسیم الحسن (ملتان)

عمیر افضال (لاہور)

ڈاکٹر محمد عثمان غنی (سرگودھا)

سردار محمد یٰسین خان (ضلع پونچھ، آزاد کشمیر)

محمد صادق بھٹی (ڈیرہ اسماعیل خان)

غلام خیر البشر فاروقی (ہری پور)

☆☆☆

THE LIGHT OF ISLAM IN TODAY'S DARK AGE

Dear brother Dr. Absar Ahmad

I join you in the hours of grief on the sad demise of Dr. Israr Ahmad, your beloved brother and a great Islamic scholar of our times. He made an enriched contribution in spreading the real cause of Islam. His speeches were full of inspiration and he kindled the light of Islam in today's Dark Age. I continue to pray that Allah may bless him in Heavens and grant us guidance to follow his speeches and thoughts, which continue to be preserved through electronic means.

With best regards,

Yours sincerely,

Prof. Dr. Khawaja Amjad Saeed

Principal,

Hailey College of Banking & Finance

University of the Punjab, Lahore.

PAKISTAN IS POORER WITHOUT HIM

My dear Akif Saeed Sahib,

Please accept my heartfelt condolences and deep sorrow on the sad demise of your illustrious father. May Allah rest his soul in eternal peace and give you and other members of family the courage to bear this loss with equanimity.

Pakistan is poorer without him!

Lt. Gen. (R) Hamid Gul

A GREAT LOSS FOR THE UMMAH

Janab Atif Sahib,

This is 2 pm here in Dubai and I have just learnt about the most shocking news of passing away of Dr. Israr Saheb. This is a great loss not only for all of us but for the Ummah as a whole.

Allah's promise is true and Allah will reward him for dedicating his entire life to proclaim His glory, spread His message and show us all the path to righteousness. On a personal note, he was a father and mentor for me and I owe a lot to him for developing some understanding of Quran and its message. I have no words to explain how deprived and helpless I feel with the thought that he is no more with us.

May Allah give you and all members of the family the courage to bear this great loss. We have no option but to find solace by submitting to Allah's will.

Please convey my heartfelt condolences to each and every member of the family.

Abdul Salam

(s/o Dr. Rafi-ud-Din)

AN ELOQUENT SPEAKER WITH SONOROUS VOICE

In Dr. Israr's death, the Muslim Ummah has lost a great religious scholar, an eloquent speaker with a natural and sonorous voice, a convincing interpreter of the Holy Quran and Hadiths, a constant devotee of Islam, an intrepid critic, a zealous servant of religion, an ardent lover of the Holy Prophet (SAW), a true follower of the tenets of Islam, a word-perfect of Iqbal's poetry, working hard day and night for the Renaissance of Islam throughout the world. Almighty Allah may bless his soul, granting fortitude and forbearance to the bereaved family!

Prof. Mazhar Ali Adeeb

Lahore

✶✶✶

Dr. Muzaffar Iqbal

A LAST MEETING WITH DR. ISRAR AHMAD

"I am but a *da'ee* (caller) who has been calling people to the Book for over sixty years," he said in a voice that had tensile strength wrapped in warmth, softness, and humility of a higher order. His eyes gleaning with inner joy, wet with emotion, and filled with conviction, he sat upright on his wooden chair in the small office in Model Town, Lahore, where I had gone to see him in reference to the Integrated Encyclopedia of the Qur'an (IEQ) Project.

"This is the greatest project on the Book that Muslims have ever undertaken in recent centuries, a truly great project," he said after hearing the outline of the Project to produce an encyclopedia of the Qur'an in seven volumes. "But you need scholars and money, I am not a scholar and we are but a *Jamaat* of *fuqara* (a party of baggers)." The smile on his face, as he said these words, was so real and convincing that the murmur of protest on the first part of his statement from a person in the room simply died away. But Dr. Israr Ahmed perceived the uneasiness of his admirer and addressed his concern by qualifying what he meant by "I am not a scholar", appeasing the hurt feelings of an admirer who could not understand how such a great scholar could say, 'I am not a scholar'.

"What I mean," he said, this time addressing the man who sat next to me, "is that this work needs scholarship of the highest order, a scholar who can tap prime sources with academic vigor, someone who can sit at his desk for hours and hours on end. I am a preacher, my forte is not academic scholarship. I am struggling to purify hearts and bind them to the Book that guides."

It was early February 2010. I was in Pakistan in connection with the IEQ Project. A few weeks ago, I had received a small package in mail containing some issues of *Nada-e-Khilafat*, the weekly magazine of Tanzim-e Islami, which he founded in early 1975s after he left Jamaat-e Islami because of differences with Mawlana Mawdudi. That was in response to a Quantum Note published in *The News* ("Behind our Stagnant Politics", November 20, 2009) in which I had pinpointed the moment Pakistan was derailed from the only path which could have led to the emergence of an Islamic state. It was an analysis of Pakistan's stagnant political scene in which I had ignored his Tanzeem. Later that day, I was to learn that he had sent an email message through his brother, Dr. Absar Ahmad, after reading that Quantum Note, a message that I never received.

Born in 1932 in Hissar (now Haryana), India, Dr. Israr Ahmad passed away on April 14, 2010 between 3:00-3:30 am at his Model Town house. A quite and quick death, the end of an era in the fullness of time and age, a life spent in continuous, sincere, and hard struggle, with conscious choices made along the way with full understanding and commitment to a very high goal for his own life as well as for the collective life of the community to which he belonged heart and soul.

Dr. Israr Ahmad's death marks the end of an era in more than one ways. He was the last of the small group of scholars who had joined hands with Mawlana Mawdudi and actively engaged in a political struggle to establish an Islamic state in Pakistan. When Mawlana Mawdudi abandoned his own clearly stated strategy, he was among those few who refused to accept his treacherous U-turn. He was also among the few who did not deviate from the original Prophetic model and who remained committed to the long path all his life. When he established Tanzeem-i-Islami, he was fully aware that there are no short cuts to the establishment of a society which functions on the basis of the Qur'an and the Sunnah and thus all his life, he advocated the need for individual transformation through rigorous self-discipline and application of the model of the Sunnah in personal life.

He was an inspiring speaker whose clarity of thought and depth of understanding became immediately clear to his audience whenever he spoke. He must have had occasions to "cash in" on his struggle, like so many others did, but to the end of his life, he remained unflinchingly attached to that higher ideal which makes the material gains of this world utterly unworthy of consideration. This high moral standard and commitment to a cause is evident from what he has left behind by way of worldly possessions.

He was loved by many and will be mourned by many, but on that February afternoon when I met him in his office, I already had the feeling that I am meeting a person who has already crossed the last threshold of life of this world and who is now ready and waiting to meet his Lord. May he rest in His Mercy, in ever-lasting peace and be among those to whom it will be said on the Day of Resurrection: *"Return thou unto thy Sustainer, well-pleased and pleasing [Him]; enter thou, together with My servants, enter though My Paradise."*